علامہ اقبال کے خطبہ الہ آباد (1930ء) کا پس منظر

ندیم شفیق ملک

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

بیسویں صدی کی تیسری دہائی میں آل انڈیا مسلم لیگ اپنی تاریخ کے نازک ترین دور سے گزر رہی تھی۔ مرکزی خلافت کمیٹی اور آل پارٹیز مسلم کانفرنس کے قیام نے پہلے ہی اس سے مسلمانان ہند کی واحد نمائندہ سیاسی تنظیم ہونے کا اعزاز چھین لیا تھا' اور اس کی سیاسی ساکھ کو مزید نقصان اس وقت پہنچا جب 1927ء میں تجاویز دہلی کی حمایت اور سائمن کمیشن سے تعاون کے سوال پر یہ کلکتہ لیگ اور لاہور لیگ نامی دو حصوں میں بٹ کر رہ گئی۔ ہر چند یہ دونوں دھڑے مارچ 1930ء میں پھر سے متحد ہو گئے مگر سیاسی افق پر مسلم لیگ کی سرگرمیاں محدود سے محدود تر ہوتی چلی گئیں۔ 1929ء میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس ہی منعقد نہ ہو سکا اور 1930ء میں سال بھر میں اس کی کونسل کے صرف چار عمومی اور ایک ہنگامی اجلاس منعقد ہوئے(1)۔ مسلم لیگ کے اجلاسوں میں ممبران کی شرکت دن بدن کم سے کم ہوتی چلی جا رہی تھی۔ اگرچہ ملک بھر میں دو ہزار سے زائد مسلم لیگ کے ممبر موجود تھے مگر کسی بھی اجلاس کے موقع پر پچھتر اراکین کا جمع ہو جانا بھی غنیمت سمجھا جاتا تھا اور مسلم لیگ کے رہنما اس تگ و دو میں تھے کہ کسی طرح دہلی سے پچھتر نئے ممبر بنائے جائیں تاکہ کورم کی کمی کے مسئلے پر قابو پایا جا سکے(2)۔ جماعتی امور کے بارے میں مسلم لیگی حضرات کی عدم دلچسپی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ مسلم لیگ کے فرسودہ اور زائد المعیاد آئین میں تبدیلی کے لیے مسلم لیگ کونسل نے یکم مارچ 1930ء کو ایک کمیٹی قائم کی مگر سال بھر میں اس کا کوئی بامقصد اجلاس ہی نہ ہو سکا(3)۔ اسی طرح مسلم لیگ کے معتمد اعزازی ڈاکٹر سیف الدین کچلو کی معیاد عہدہ 31 دسمبر 1929ء کو ختم ہو گئی مگر کئی مہینوں تک ان کی جگہ کوئی دوسرا شخص منتخب نہ کیا جا سکا(4)۔ اس کے علاوہ مسلم لیگ کی مالی حالت بھی انتہائی دگرگوں تھی۔ مرکزی دفتر کے پاس نہ صرف کوئی محفوظ فنڈ نہ تھا بلکہ الٹا وہ سینکڑوں روپے کا مقروض تھا۔ 1930ء میں پرزور درخواستوں اور کافی تگ و دو کے باوجود ممبران سے صرف 887 روپے بطور چندہ جمع ہوئے اور مسلم لیگ کا کام قائداعظم کے عطیات اور مسلم لیگ کے جوائنٹ سیکرٹری ایس ایم عبداللہ کے وقتاً" فوقتاً" دیے جانے والے قرض حسنہ سے چلایا جاتا رہا(5)۔ ان تمام وجوہات کی بنا پر لیگ کا سالانہ اجلاس منعقد کروانے میں اس امر کا خاص خیال رکھا جاتا تھا کہ مجوزہ مقام ایسا ہو جہاں تمام ممبران بہ سہولت پہنچ سکیں اور کورم باآسانی پورا ہو سکے' نیز مقامی احباب مہمانوں کے قیام و طعام اور سالانہ جلسے کے تمام تر اخراجات کے کفیل ہو سکیں۔

اس پر آشوب دور میں آل انڈیا مسلم لیگ کو متحرک رکھنے اور سالانہ اجلاس منعقد کروانے میں جس ہستی نے سب سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا' وہ مسلم لیگ کے آفس سیکرٹری سید شمس الحسن (1892ء-1981ء) تھے جنھوں نے مسلم لیگی رہنماؤں کی توجہ لیگ کا سالانہ اجلاس منعقد کروانے کی طرف مبذول کروائے رکھی اور پہلے لکھنؤ' پھر بنارس اور انجام کار الہ آباد میں اس کے انعقاد کے عملی انتظامات کیے۔ اعزازی معتمد مسلم لیگ کی پیش کردہ سالانہ رپورٹ برائے 1930ء میں اس حقیقت کا برملا اعتراف کیا گیا کہ اگر شمس الحسن حوصلہ مندی اور استقلال کا مظاہرہ نہ کرتے تو مسلم لیگ کے دفاتر عرصہ دراز سے بند ہو چکے ہوتے(6)- خوش قسمتی سے انہیں مولوی محمد یعقوب (1879ء-1942ء) جیسے پر خلوص مسلم لیگی رہنما کی سرپرستی حاصل ہو گئی تھی جو 1930ء میں مسلم لیگ کے اعزازی معتمد کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہے تھے(7)- چنانچہ ان دونوں بزرگوں کی مشترکہ مساعی سے آل انڈیا مسلم لیگ اس قابل ہو سکی کہ تمام تر مشکلات کے باوجود اپنا سالانہ اجلاس منعقد کروا سکے۔

1929ء میں چونکہ مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس نہ ہو سکا تھا اس لیے 1930ء کی ابتداء ہی سے اس کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ 14 مارچ 1930ء کو ہونے والے مسلم لیگ کونسل کے اجلاس میں ایک کمیٹی مقرر کی گئی جس کو لیگ کے سالانہ اجلاس کی مناسب تاریخ و مقام کے بارے میں سفارشات پیش کرنے کا کام سونپا گیا(8)- دریں اثناء مسلمانان پونا نے ایک جلسے میں منظور شدہ قرار داد کے ذریعے یہ پیشکش کی کہ مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس پونا میں منعقد کیا جائے(9)- 18 جون 1930ء کو مولوی محمد یعقوب نے مسلم لیگ کونسل کے منتخب اراکین کے نام ایک مراسلہ بھیجا جس میں سائمن کمیشن کی سفارشات کی ممکنہ اشاعت کے پیش نظر مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کے انعقاد کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے اراکین سے ان کی آراء طلب کی گئیں تاکہ اس مسئلے کو مسلم لیگ کونسل کے جولائی 1930ء میں ہونے والے اجلاس میں طے کیا جا سکے(10)- مولوی یعقوب نے اس بات کو بھی نمایاں کیا کہ عام حالات میں تو جولائی یا اگست کے مہینے ہی سالانہ اجلاس کے لیے موزوں رہتے ہیں مگر جولائی میں مرکزی قانون ساز اسمبلی کا اجلاس شملے میں طلب کیا گیا ہے جس کی وجہ سے جولائی میں سالانہ اجلاس کا انعقاد خارج از بحث ہے۔ دوسری طرف ستمبر میں ملک میں عام انتخابات ہو رہے ہیں جس کے باعث اگست میں کامیاب اجلاس منعقد کرنا نہایت مشکل ہو گیا ہے(11)-

اس مراسلے کے جواب میں لیگ کونسل کے اراکین نے مرکزی دفتر کو کیا تجاویز ارسال کیں' اس کی تفصیلات تو دستیاب نہیں مگر بنگال کے ممتاز مسلم رہنما اے۔ ایچ۔ غزنوی نے 28 جون 1930ء کو مولوی یعقوب کو مطلع کیا کہ چونکہ سائمن کمیشن کی تجاویز پہلے ہی چھپ چکی ہیں' اس لیے لیگ کا سالانہ اجلاس جلد از جلد منعقد کیا جانا چاہیے تاکہ ان پر مفصل غور کیا جا سکے۔ اس ضمن میں انہوں نے تجویز پیش کی کہ لیگ کا سالانہ اجلاس قانون ساز اسمبلی کے دوران ہی شملے میں منعقد کر لیا جائے(12)- اس کی بابت حتمی فیصلہ کرنے کے لیے مسلم لیگ کونسل کا اجلاس 13 جولائی 1930ء کو شملے میں ہوا جس میں تمام آراء و تجاویز پر غور کرنے کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا کہ مسلم لیگ

کا اکیسواں سالانہ اجلاس لکھنؤ میں 16 اور 17 اگست 1930ء کو منعقد کیا جائے(13)- اجلاس کی صدارت کے لیے طے پایا کہ بالترتیب علامہ اقبال' سر سلطان احمد' مولوی فضل الحق اور صاحبزادہ عبدالقیوم کو دعوت دی جائے(14)-

ان فیصلوں کی روشنی میں قائد اعظم نے جو اس مسلم لیگ کی صدارت کے فرائض انجام دے رہے تھے' علامہ اقبال کو لکھنؤ اجلاس کی صدارت قبول کرنے کے لیے اسی دن تار دے دیا مگر 21 جولائی 1930ء تک ان کی طرف سے کوئی جواب موصول نہ ہوا(15)- اس تاخیر پر اظہار تشویش کرتے ہوئے شمس الحسن نے مولوی محمد یعقوب کو 21 جولائی 1930ء کو تحریر کیا کہ اجلاس کے انعقاد کی تاریخیں بہت قریب آ رہی ہیں مگر ابھی تک علامہ اقبال کی طرف سے اس کی صدارت قبول کرنے کی اطلاع موصول نہیں ہوئی جس کے سبب ابھی دعوتی خطوط جاری نہیں ہو سکے جس پر برما اور مدراس جیسے دور دراز علاقوں کے ممبران کو تنگی وقت کی شکایت ہو گی(16)- انہوں نے اس امر کی بھی نشاندہی کی کہ انگریزی اور اردو' دونوں زبانوں میں تین ہزار کے قریب دعوتی خطوط بھیجے جانے ہیں جن کو منزل مقصود تک پہنچنے میں بھی خاصا وقت درکار ہو گا(17)- اسی نوعیت کا استفسار ایک اور لیگی کارکن اعجاز علی نے بھی مولوی یعقوب کے نام اپنے ایک خط مورخہ 20 جولائی 1930ء میں کیا جس میں انہوں نے بتایا کہ انہوں نے آج ملک فیروز خان نون سے بذریعہ فون معلوم کیا تھا کہ آیا علامہ اقبال نے لکھنؤ اجلاس کی صدارت کرنا منظور کر لی ہے' جس کے جواب میں سر فیروز خان نون نے اس بارے میں اپنی لاعلمی کا اظہار کیا۔ چنانچہ اس پر اعجاز علی نے مولوی یعقوب سے پوچھا کہ آیا اس بارے میں قائد اعظم نے ان کو کچھ اطلاع دی ہے(18)- اسی طرح 23 جولائی 1930ء کی اشاعت میں روزنامہ انقلاب نے خبر دی کہ مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کی صدارت کے سلسلے میں علامہ اقبال سے خط و کتابت ہو رہی ہے مگر ابھی تک انہوں نے اس بارے میں کوئی حتمی فیصلہ نہیں کیا(19)-

علامہ اقبال کی طرف سے اجلاس لکھنؤ کی صدارت قبول کرنے کے بارے میں پہلی مستند اطلاع روزنامہ انقلاب کی 26 جولائی 1930ء کی اشاعت میں ملتی ہے جس میں کہا گیا تھا کہ علامہ نے وسط اگست میں لکھنؤ میں ہونے والے مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کی صدارت کرنے کی دعوت قبول کر لی ہے اور وہ آجکل صدارتی خطبہ لکھنے میں مصروف ہیں(20)- 31 جولائی 1930ء کو مولوی یعقوب کا ایک کھلا خط تمام ممتاز اردو اخبارات میں شائع ہوا جس میں علامہ اقبال کی جانب سے مسلم لیگ کے اجلاس لکھنؤ کی صدارت قبول کرنے کا باضابطہ اعلان کرتے ہوئے مسلمانوں سے درخواست کی گئی تھی کہ ہر گروہ اور خیال کے لوگ اس میں شریک ہوں اور ٹھنڈے دل و دماغ سے حالات حاضرہ پر غور و خوض کرنے کے بعد اپنے متفقہ مطالبات کا اعلان مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے کریں(21)- لکھنؤ اجلاس کی مزید اہمیت واضح کرتے ہوئے مولوی یعقوب نے کہا کہ ملک کے موجودہ نازک سیاسی حالات کی وجہ سے عموماً" اور صوبہ سرحد کے مخدوش حالات کی وجہ سے خصوصاً" جو اہم تبدیلیاں حکومت ہند کے دستور اساسی میں ہونے والی ہیں' نیز اس اختلاف رائے

کی بدولت جو سائمن کمیشن رپورٹ اور مجوزہ گول میز کانفرنس کے متعلق پیدا ہو چکا ہے' لیگ کا یہ اجلاس اور زیادہ اہمیت کا حامل ہو گیا ہے(22)-

آہستہ آہستہ لکھنؤ میں بھی سالانہ اجلاس کی تیاریوں نے زور پکڑنا شروع کر دیا۔ 22 جولائی 1930ء کو لکھنؤ کے ممتاز لیگی رہنما منشی احتشام علی نے جو اجلاس کے انتظام و انصرام میں پیش پیش تھے' شمس الحسن کو اطلاع دی کہ مقام جلسہ کے بارے میں 25 جولائی 1930ء کو صوبائی لیگ کونسل کے اجلاس میں غور کیا جائے گا اور حتمی فیصلہ ہوتے ہی مرکزی دفتر کو اطلاع دے دی جائے گی(23)- 25 جولائی 1930ء کو منشی احتشام علی کی طرف سے سیکرٹری مسلم لیگ کو تار کے ذریعے صوبائی لیگ کونسل کی طرف سے لکھنؤ میں سالانہ اجلاس منعقد کرنے کی رسمی منظوری کی اطلاع دی گئی(24)- 28 جولائی 1930ء کو منشی احتشام علی نے مزید اطلاع دی کہ استقبالیہ کمیٹی 27 جولائی کو بن گئی ہے' اور مرکزی دفتر کو ممبران مسلم لیگ کی فہرست بھیجنے کی درخواست کی تاکہ رسمی بلاوے کے ساتھ ساتھ خصوصی دعوتی خطوط بھی لکھے جا سکیں(25)- ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علامہ اقبال کو ان تمام تیاریوں سے باخبر نہیں رکھا جا رہا تھا کیونکہ انہوں نے اپنے خط مورخہ یکم اگست 1930ء میں مولوی یعقوب کو تحریر کیا کہ "ابھی تک معلوم نہیں ہو سکا کہ لکھنؤ میں آیا کوئی استقبالیہ کمیٹی بھی بن گئی یا نہیں۔ ہمیں ابھی تک اس کی بابت کوئی اطلاع نہیں دی گئی اور لوگ ہر طرح کے استفسارات کر رہے ہیں"(26)-

دریں اثناء ممتاز لیگی رہنماؤں نے مرکزی دفتر کو لکھنؤ اجلاس میں شرکت کی اطلاع دینی شروع کر دی۔ حکیم محمد شریف نے لاہور سے سیکرٹری مسلم لیگ کو اپنے خط محررہ 28 جولائی 1930ء کے ذریعے مطلع کیا کہ لاہور کے مندوبین علامہ اقبال ہی کے ہمراہ لکھنؤ پہنچیں گے(27)- حبیب الرحمن شیروانی نے اجلاس میں حاضری کی یقین دہانی کرواتے ہوئے امید ظاہر کی کہ اجلاس کے شرکاء دوسرے مسلم سیاسی اجتماعات کی طرح نیم خام اور سرسری تجاویز پیش کرنے یا سیر کرنے کو ہی نصب العین نہ بنائیں گے بلکہ سیاسی راہنما ایسا لائحہ عمل پیش کریں گے جو موجودہ ہنگامہ خیز واقعات کے حسب حال ہو گا(28)- لکھنؤ کے محمد شوکت علی ایڈووکیٹ نے سیکرٹری مسلم لیگ کے نام اپنے خط مورخہ 17 اگست 1930ء میں اس امر پر حیرت کا اظہار کیا کہ موجودہ بحران میں مسلم لیگ نے کچھ کر گزرنے کا بیڑہ اٹھایا ہے اور اپنی اور حکیم سید بشیر احمد کی خدمات پیش کرتے ہوئے یقین دلایا کہ وہ اجلاس کو کامیاب بنانے کے لیے ہر ذمہ داری کو بجا لانے کے لیے تیار ہیں(29)- خلیل قاضی نے تحریر کیا کہ میں اس جلسے کی اہمیت کو جانتا ہوں اور ضرورت کو سمجھتا ہوں' اس لیے حاضری کی کوشش کروں گا(30)- دیگر راہنماؤں میں سے ریاست دینا کے عزیز الدین احمد خان' مولوی عبدالغنی آف مالدہ' محمد حسین جونپوری' طفیل احمد منگلوری' ایس ایم فضل الٰہی' سید اسد رضا آف پونا وغیرہ نے علیحدہ علیحدہ خطوط کے ذریعے مرکزی دفتر کو لکھنؤ اجلاس میں شرکت کا یقین دلایا(31)-

2 اگست 1930ء کو سالانہ اجلاس کی وجہ سے مسلم لیگ کا مرکزی دفتر بیس (20) دنوں کے

لیے لکھنؤ منتقل ہو گیا۔ شمس الحسن نے محکمہ ڈاک کو اس عارضی تبدیلی سے مطلع کرتے ہوئے استدعا کی کہ 22 اگست تک موصول ہونے والے خطوط اور منی آرڈر 36 سرکلر روڈ لکھنؤ کے پتے پر ارسال کر دیئے جائیں(32)۔ لکھنؤ اجلاس کی تیاریوں کا ذکر کرتے ہوئے شمس الحسن نے مولوی محمد یعقوب کو 4 اگست 1930ء کو تحریر کیا کہ ہندوستان بھر میں تمام ممبران کو دو ہزار کے قریب اردو اور انگریزی گشتی خطوط ارسال کر دیئے گئے ہیں جس میں انہیں لکھنؤ اجلاس میں شرکت کی دعوت دی گئی ہے۔ منشی اطہر علی ایڈووکیٹ کی سربراہی میں ایک استقبالیہ کمیٹی نے کام شروع کر دیا ہے اور گنگا پرشاد میموریل ہال کو سالانہ اجلاس کی جائے انعقاد کے طور پر چن لیا گیا ہے۔ نیز شہر میں تقسیم اور چسپاں کرنے کے لیے ہینڈ بل اور پوسٹرز تیار کر لیے گئے ہیں۔ انہوں نے مزید مطلع کیا کہ مسلم لیگ کونسل کا اجلاس منشی احتشام علی کے گھر 15 اگست 1930ء کو چار بجے شام کو ہو گا(33)۔

5 اگست 1930ء کو مسلم لیگ کے لکھنؤ اجلاس کے حوالے سے روزنامہ انقلاب نے ایک اداریہ تحریر کیا جس میں اس امر کی تلقین کی گئی کہ وقت کی نزاکت' ملت کی پیچیدہ ضروریات اور اجلاس کی اہمیت کے پیش نظر' صدارت کے لیے علامہ اقبال جیسی موزوں ترین شخصیت کا انتخاب کیا گیا ہے' اور اس یقین کا اظہار کیا کہ ان کے خطبے کی روشنی میں مسلمانان ہند اپنے لیے بہترین لائحہ عمل تیار کرنے کے قابل ہو جائیں گے(34)۔ 6 اگست 1930ء کو مولوی یعقوب نے ہندوستان بھر کے نمایاں اخبارات کے نام ایک اعلامیہ جاری کیا جس میں بتایا گیا کہ لکھنؤ میں لیگ کے سالانہ اجلاس کی تیاریاں زوروں پر ہیں اور ممبران لیگ کو مشورہ دیا گیا کہ وہ اپنی آمد کے متعلق مسلم لیگ کے دفتر واقع 131 خیالی گنج' لکھنؤ کو 14 اگست 1930ء تک مطلع کر دیں تاکہ ان کے حسب منشا رہائش کا بندوبست کیا جا سکے(35)۔ نیز اجلاس کی خصوصی اہمیت کے پیش نظر اور لیگ کے ممبران کی بھاری تعداد میں متوقع شرکت کے سبب' عام شرکاء کی خدمت میں استدعا کی گئی تھی کہ وزیٹرز کے لیے صرف چند نشستیں مخصوص کی گئی ہیں جن کے ٹکٹ پندرہ' پانچ اور دو روپے کے حساب سے دستیاب ہیں مگر جو صاحبان پہلے سے اپنی نشستیں مخصوص کروانا چاہتے ہیں' ان کو چاہیے کہ سیکرٹری مسلم لیگ کے نام درخواست جلد از جلد بھجوا دیں(36)۔ مراسلے میں اس بات کی بھی وضاحت کر دی گئی کہ اجلاس کی کارروائی میں حصہ لینے اور ووٹ دینے کا حق صرف ممبران لیگ کے لیے مخصوص ہو گا' مگر لیگ کی ممبرشپ ان تمام مسلمانوں کے لیے کھلی ہے جو اکیس سال کی عمر کے حامل ہیں یا گریجوایٹ ہیں۔ چنانچہ جو اصحاب ممبر بننا چاہیں وہ 15 اگست سے پہلے پانچ روپے داخلہ فیس اور چھ روپے سالانہ فیس ادا کر کے رکن بن سکتے ہیں(37)۔

6 اگست 1930ء کو مولوی یعقوب کے نام اپنے ایک مکتوب میں شمس الحسن سالانہ اجلاس کی تیاریوں کی بابت مطلع کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "لکھنؤ میں تمام انتظامات مکمل ہو گئے ہیں۔ رات کو استقبالیہ کمیٹی کا اجلاس ہوا جس میں شہر کے تمام سربرآوردہ اصحاب شریک تھے۔ اس میں یہ طے پایا کہ مہمانوں کے طعام کے کل اخراجات استقبالیہ کمیٹی برداشت کرے گی۔ نیز کئی کوٹھیاں اور مکانات بھی مہمانوں کے قیام کے لیے حاصل کر لی گئی ہیں(38)۔ آٹھ اور دس اگست 1930ء کی

اشاعتوں میں روزنامہ انقلاب نے اگست میں لکھنؤ میں ہونے والی آل پارٹیز مسلم کانفرنس اور مسلم لیگ کے جلسوں کی خبریں شائع کرتے ہوئے لکھا کہ ان اجتماعات سے مسلمانوں کے حقوق و مطالبات کا پرزور اعادہ اور ان کے اتفاق و اتحاد کا شاندار مظاہرہ کرنا مقصود ہے۔ چنانچہ ان دونوں جلسوں میں شریک ہونا اس مسلمان کے لیے لازم ہے' جو لکھنؤ پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو(39)۔

ادھر لکھنؤ میں مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کی تیاریاں زور و شور سے جاری تھیں' ادھر کانگریس اپنے گماشتوں کے ذریعے اس اجلاس کو ناکام بنانے کے لیے کوشاں ہو گئی۔ ان اطلاعات پر علامہ اقبال نے اظہار تشویش کرتے ہوئے مولوی محمد یعقوب کو یکم اگست 1930ء کو ایک خط تحریر کیا جس میں مسلم قوم پرستوں کے ذریعے کانگریسی رہنماؤں کی لکھنؤ اجلاس پر قبضہ کرنے کی سازشوں کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے زور دیا کہ جہاں تک ممکن ہو' لکھنؤ اجلاس پرامن رکھا جائے اور اسے درہم برہم کرنے کے منصوبہ سازوں کی ممکنہ گڑبڑ کے خلاف ہر ممکن احتیاط بروئے کار لائی جائے (40)۔ اس ضمن میں علامہ نے تجویز کیا کہ اگر ضرورت ہو تو اجلاس کا مقام تبدیل کر دیا جائے اور اگر مندرجہ بالا خدشے کا موہوم سا امکان بھی ہو تو لیگ کے سالانہ اجلاس کے لیے دہلی زیادہ موزوں جگہ رہے گی(41)۔ اس کے علاوہ علامہ نے سالانہ اجلاس کی تاریخیں تبدیل کرنے کا بھی مشورہ دیتے ہوئے کہا کہ اگست کے بجائے اسے ستمبر کے اوائل یا درمیان بھی منعقد کیا جا سکتا ہے کیونکہ موسم بھی اس وقت تک پہلے سے کچھ بہتر ہو جائے گا اور صوبہ پنجاب بھی پہلے سے زیادہ طاقتور وفد بھیجنے پر قادر ہو جائے گا(42)۔

4 اگست 1930ء کو علامہ اقبال نے مولوی محمد یعقوب کو ایک اور خط لکھا جس میں انہوں نے تحریر کیا کہ سابقہ خط میں مذکورہ وجوہات کی بنا پر یہ مناسب ہو گا کہ سالانہ اجلاس اکتوبر تک' یعنی عام انتخابات کے مکمل ہونے تک ملتوی کر دیا جائے۔ جائے انعقاد کے بارے میں وضاحت کرتے ہوئے انہوں نے خیال ظاہر کیا کہ اگر دہلی مناسب جگہ نہ ہو تو یہ اجلاس لاہور میں بھی منعقد ہو سکتا ہے بشرطیکہ فیروز خان نون اور دوسرے حضرات اس معاملے میں دلچسپی لیں(43)۔ اس ممکنہ اعتراض کا جواب دیتے ہوئے کہ اکتوبر میں لیگ کا سالانہ اجلاس منعقد کرنے سے پہلی گول میز کانفرنس کے نامزد مسلم مندوبین اس میں شریک نہ ہو سکیں گے کیونکہ وہ اکتوبر کے پہلے ہفتہ میں لندن کے لیے روانہ ہو رہے تھے' علامہ اقبال نے خیال ظاہر کیا کہ ان کی عدم شرکت سے کچھ فرق نہیں پڑے گا کیونکہ اجلاس کی قرار دادیں انہیں بذریعہ تار بھی بھیجی جا سکتی تھیں' اور امکان ظاہر کیا کہ شاید گول میز کانفرنس ایک ہفتہ سے زائد کے لیے ملتوی ہو جائے(44)۔ ظاہر ہے کہ لیگ کے دگرگوں مالی معاملات اور انتظامی مشکلات کے پیش نظر ان تجاویز پر عمل کرنا ممکن نہ تھا۔

4 اگست 1930ء ہی کو علامہ اقبال نے شمس الحسن کے نام ایک مراسلہ بھیجا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اپنے تمام تر ذہنی تحفظات کے باوجود علامہ' لکھنؤ اجلاس میں شرکت کے لیے تیار تھے اور اسے کامیاب دیکھنے کے بھی متمنی تھے۔ اس خط میں علامہ نے شمس الحسن کو مشورہ دیا کہ پنجاب سے مدعو کیے جانے والے افراد کو مرکزی دفتر کی طرف سے علیحدہ علیحدہ تاکیدی خطوط لکھے جائے

چاہئیں اور ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین سیکرٹری صوبائی مسلم لیگ لاہور کے نام بھی الگ تاکیدی خط ارسال کیا جائے تاکہ لاہور سے بہت سے حضرات شریک اجلاس ہوں۔ اور بیرونی شرکاء کے قیام طعام کے انتظامات کے بارے میں بھی مفصل اطلاع شائع کی جائے(45)- اپنے اعزاز میں کسی قسم کی استقبالیہ تقریبات کی ممانعت کرتے ہوئے علامہ نے صراحتاً لکھا کہ "مہربانی فرما کر ممبران استقبالیہ کمیٹی کی خدمت میں میری طرف سے عرض کیجئے کہ کسی قسم کے استقبال کی تیاری نہ کی جائے۔ میں اپنے پرانے دوست محمد وسیم بیرسٹر کے ہاں قیام کروں گا۔ چونکہ مجھے استقبال کا اندیشہ تھا' اس واسطے میں نے ان کو لکھا ہے کہ میرے لکھنؤ پہنچنے کے وقت سے کسی کو بھی آگاہ نہ کریں اور اسی شرط پر میں نے ان کے ہاں ٹھہرنے اور ان کا مہمان ہونا قبول کیا ہے۔"(46)- ان سطور سے عیاں ہے کہ علامہ اقبال مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کی صدارت کو ذاتی نام و نمود کی نمائش کا ذریعہ نہ سمجھتے تھے بلکہ اس کے ذریعے مسلمانوں کو پیام عمل دینے کے خواہشمند تھے۔

لکھنؤ کے مقامی مسلم لیگی رہنما بھی کانگریس کی ممکنہ شرپسندیوں سے بخوبی آگاہ تھے اور ان کے تدارک کے لیے تدابیر بھی کر رہے تھے۔ شمس الحسن نے مولوی یعقوب کو لکھنؤ سے ارسال کردہ 4 اگست 1930ء کے خط میں اطلاع دی کہ قوم پرست مسلمان تادم تحریر بہت زیادہ لاتعلق نظر آ رہے ہیں مگر یہ کہا جا رہا ہے کہ وہ لکھنؤ اجلاس کو درہم برہم کرنے کے خفیہ منصوبے بنا رہے ہیں۔ مگر جہاں تک میں اندازہ کر سکتا ہوں' یہ افواہ کے سوا کچھ نہیں(47)- ایک دوسرے مکتوب میں جو 6 اگست 1930ء کو لکھا گیا' شمس الحسن نے مولوی یعقوب کو مطلع کیا کہ کانگریس کے قوم پرست حامی عرصہ سے کوشش کر رہے ہیں کہ یہ جلسہ ملتوی کر دیا جائے مگر جلسے کے پرامن انعقاد کا یقین دلاتے ہوئے شمس الحسن نے لکھا کہ مسلم لیگ کونسل میں ان کے ممبران کی تعداد نہایت کم کر دی گئی ہے' نیز ان کے بہت سے بااثر راہنما جیل میں ہیں۔ چونکہ اجلاس میں صرف اراکین ہی شرکت کر سکتے ہیں' اس لیے جلسے میں کسی گڑبڑ کے اندیشہ کی گنجائش نہیں۔ وہ اگر شریک بھی ہوئے تو کیا کر سکتے ہیں(48)- مزید حفاظتی اقدام کے طور پر لکھنؤ اجلاس کے وزیٹر ٹکٹوں کی فروخت روک دی گئی کیونکہ اس بات کا اندیشہ تھا کہ مخالفین سو دو سو ٹکٹیں خرید کر غنڈہ عناصر کو جلسہ درہم برہم کرنے کے لیے نہ بھیج دیں(49)-

اس مراسلت سے یہ بات ظاہر ہے کہ لکھنؤ اجلاس میں اگر گڑبڑ کا کوئی اندیشہ موجود بھی تھا تو مقامی مسلم لیگی زعماء اس کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار تھے۔ مگر جلد ہی اجلاس کے انعقاد میں ایک دوسری رکاوٹ پیدا ہو گئی۔ ستمبر 1930ء میں ہندوستان بھر میں مرکزی اور صوبائی قانون ساز کونسلوں کے انتخابات ہو رہے تھے اور بڑے بڑے مسلمان رہنما اس کی تیاریوں میں مشغول تھے' اور دور دراز کے علاقوں سے ان کا لکھنؤ آنا مشکل ہو گیا تھا۔ چنانچہ جلد ہی انتخابی گہما گہمی اور مصروفیت نے مختلف صوبوں کے مسلم لیگی رہنماؤں کو جلسہ کے التوا کی درخواستیں کرنے پر مجبور کر دیا۔ یہاں یہ امر تعجب خیز ہے کہ ہرچند اجلاس لکھنؤ کی تاریخوں کا اعلان بہت پہلے ہو چکا تھا مگر اس کو ملتوی کرنے کی سعی مقررہ تاریخ سے چند روز پیشتر ہی شروع ہوئی۔ 6 اگست 1930ء کو شمس

الحسن نے مولوی یعقوب کو ایک خط کے ذریعے مطلع کیا کہ نواب محمد یوسف اور سر فیروز خان نون کے تار بابت التوائے لکھنؤ اجلاس ملے ہیں۔ ان کو بمبئی کی مخالفت کرتے ہوئے شمس الحسن نے لکھا کہ اس حالت میں جبکہ دو ہزار خطوط ممبران کو بطریق دعوت نامہ بھیجے جا چکے ہیں' اور اجلاس کو کامیاب بنانے کے لیے شہر میں اچھا خاصا پروپیگنڈا کیا جا چکا ہے' اجلاس کو ملتوی کرنا نہایت بدنامی کا باعث ہو گا(50)- اس یقین کا اظہار کرتے ہوئے کہ اجلاس لکھنؤ نہایت کامیاب ہو گا' شمس الحسن نے رائے ظاہر کی کہ ڈاکٹر شفاعت احمد خان اور نواب محمد یوسف کو چاہیے تھا کہ اجلاس میں پر زور طریق سے شرکت کرتے ہوئے' اس التوا کی کوشش میں اپنی قوت کو کمزور کرنے سے کیا فائدہ(51)-

شمس الحسن نے صرف مولوی یعقوب ہی کو خط لکھنے پر اکتفا نہ کیا بلکہ اسی دن یعنی 6 اگست 1930ء ہی کو قائداعظم اور نواب یوسف کو بھی اس ضمن میں علیحدہ علیحدہ خطوط لکھے۔ قائداعظم کو ان کے نام نواب یوسف کا تار برائے التوائے لکھنؤ اجلاس ارسال کرتے ہوئے شمس الحسن نے انکشاف کیا کہ اسی قسم کے تار سر فیروز خان نون کی جانب سے لکھنؤ میں قیام پذیر مسلم لیگ کے ممتاز اراکین کو بھیجے گئے جن میں ان کو لیگ کے سالانہ اجلاس کو کسی بعد کی تاریخ تک ملتوی کروانے کے لیے اپنا اثر و رسوخ استعمال کرنے کی استدعا کی گئی ہے(52)- علامہ اقبال کے اس خط کا بھی حوالہ دیتے ہوئے' جس میں انہوں نے اس اندیشہ کا اظہار کیا تھا کہ قوم پرست حضرات لکھنؤ اجلاس کے ذریعے مسلم لیگ پر قبضہ نہ کر لیں' شمس الحسن نے خیال ظاہر کیا کہ ملک فیروز خان نون اور نواب محمد یوسف بھی اسی اندیشہ کے پیش نظر لکھنؤ اجلاس کو ملتوی کروانا چاہتے تھے(53)- ان تمام خدشات کی نفی کرتے ہوئے شمس الحسن نے قائداعظم کو یقین دلایا کہ قوم پرست جماعت مسلم لیگ کونسل میں ناقابل ذکر اقلیت میں ہے اور اس کے حامی یا تو لاتعلق ہیں یا جیل میں مقید ہیں' اور ان سے استدعا کی کہ وہ علامہ اقبال' نواب محمد یوسف اور ملک فیروز خان نون پر زور دیں کہ وہ لکھنؤ اجلاس میں بلا خوف و خطر اپنی تمام تر قوت کے ساتھ شریک ہوں(54)-

نواب محمد یوسف کے نام خط میں شمس الحسن نے انہیں مطلع کیا کہ "اجلاس کے لیے تمام انتظامات پوری تندہی سے جاری ہیں۔ تقریباً" دو ہزار دعوت نامے ہندوستان کے مختلف علاقوں بشمول برما کی طرف جاری کیے جا چکے ہیں۔ استقبالیہ مجلس قائم کر دی گئی ہے۔ فنڈ جمع کر لیے گئے ہیں۔ ہینڈ بل اور پوسٹرز تقسیم کیے جا رہے ہیں۔ ہندوستان کے مختلف علاقوں سے بہت سے ممبران لیگ نے اپنی آمد سے دفتر کو مطلع کر دیا ہے۔ علامہ اقبال نے اپنا صدارتی خطبہ تیار کر لیا ہے۔ ان حالات میں میری ناقص رائے میں التوا کا سوال بعد از وقت ہے"(55)- اس یقین کا اظہار کرتے ہوئے کہ لکھنؤ اجلاس ایک تاریخی کامیابی ہو گا' شمس الحسن نے امید ظاہر کی کہ نواب محمد یوسف اپنے احباب کے ہمراہ شریک جلسہ ہوں گے(56)-

دریں اثنا لکھنؤ اجلاس کو ملتوی کرنے کے حامی حضرات نے قائداعظم کو انتخابی مصروفیات کا عذر کر کے لکھنؤ اجلاس کے التوا کے لیے مجبور کرنا شروع کر دیا(57)- چنانچہ قائداعظم نے جو 3 اگست 1930ء تک لکھنؤ اجلاس مقررہ وقت پر منعقد کرنے کے حامی تھے' بلکہ ایک دن پہلے لکھنؤ

پہنچنے کا عندیہ بھی دے چکے تھے(58)۔ 6 اگست 1930ء کو مولوی یعقوب اور شمس الحسن کو علیحدہ علیحدہ تار دیے جن میں کہا گیا تھا کہ انہیں لکھنؤ اجلاس کے التوا پر کوئی اعتراض نہیں مگر مسلم لیگ کونسل کے اراکین سے مشورہ کر لیا جائے(59)۔ سالانہ اجلاس میں اپنی شرکت کے بارے میں مطلع کیا کہ وہ بمبئی الیکشن میں مصروف ہیں' شاید شریک نہ ہو سکیں' اور خدشہ ظاہر کیا کہ کئی اور لوگ بھی انتخابات کی وجہ سے شریک جلسہ نہ ہو سکیں(60)۔

تاہم التوائے جلسہ کی کوششوں سے عوام الناس' پریس اور حتیٰ کہ علامہ اقبال بھی بے خبر تھے اور' مقدور بھر' لکھنؤ اجلاس کی تیاریاں کر رہے تھے۔ 7 اگست 1930ء کی اشاعت میں روزنامہ انقلاب نے اس بات پر تشویش کا اظہار کیا کہ ہندو سیاست دان اپنے مسلمان گماشتوں کی مدد سے لیگ کے اجلاس لکھنؤ کو نئی تفرقہ پردازی کے لیے استعمال کرنا چاہتے ہیں' اور یو پی کے مسلم رہنماؤں پر زور دیا کہ ان کوششوں کا مکمل سدباب کریں(61)۔ اخبار نے پنجاب اور بنگال کے مسلمانوں پر خصوصیت سے زور دیا کہ وہ کثیر تعداد میں شریک اجلاس ہوں تاکہ کسی ناخوشگوار صورتحال سے بچا جا سکے(62)۔ 8 اگست کو ایک لیگی کارکن محمد ایوب نے شمس الحسن کو مطلع کیا کہ مسلم لیگ کے بلیٹن کی اردو اور انگریزی کاپیاں تیار ہیں اور انہیں اردو اور انگریزی اخبارات کے نام اور پتے بھیج دیے جائیں تاکہ انہیں بلیٹن کی کاپیاں ارسال کی جا سکیں(63)۔ 9 اگست 1930ء کو علامہ اقبال نے سیکرٹری مسلم لیگ کے نام اپنے ایک مکتوب میں تحریر کیا کہ استقبالیہ کمیٹی نے جو فیصلے کیے ہوں' آپ پر لازم ہے کہ انہیں صوبہ پنجاب اور دیگر صوبوں کے اخباروں میں شائع کرائیں تاکہ لوگوں کو ضروری اطلاعات مل سکیں(64)۔ نیز علامہ نے امید ظاہر کی کہ پنجاب سے خاصی تعداد میں لوگ آئیں گے' اور یہ استفسار کیا کہ مسلم لیگ کا اجلاس 16 اگست 1930ء کو کس وقت شروع ہو گا(65)۔ 11 اگست 1930ء کو ممتاز مسلمان صحافی اور روزنامہ انقلاب کے مدیر غلام رسول مہر نے سیکرٹری مسلم لیگ کو مطلع کیا کہ وہ لکھنؤ اجلاس میں ضرور شریک ہوں گے(66)۔ اسی طرح 12 اگست 1930ء کی اشاعت میں روزنامہ انقلاب نے اجلاس لکھنؤ کے التوا کی افواہوں کی تردید کرتے ہوئے لکھا کہ مسلم لیگ کا اجلاس مقررہ وقت پر منعقد ہو گا(67)۔

درحقیقت لکھنؤ اجلاس کو ملتوی کرنے کا فیصلہ 9 اگست سے 12 اگست تک چند دنوں میں طے پایا جب شمس الحسن اور مولوی یعقوب پر لکھنؤ اجلاس ملتوی کرنے کے لیے دباؤ بے حد بڑھ گیا۔ 9 اگست 1930ء کو سر فیروز خان نون نے مولوی یعقوب کو ایک ٹیلی گرام بھیجا جس میں کہا گیا تھا کہ مسلم کانفرنس کا وسط اگست میں لکھنؤ میں ہونے والا اجلاس ملتوی کر دیا گیا ہے چنانچہ وہ بھی اکتوبر کے پہلے ہفتے تک مسلم لیگ کا اجلاس ملتوی کر دیں کیونکہ انتخابات کی وجہ سے مسلمانان پنجاب کے لیے لکھنؤ آنا ناممکن ہے اور اگر لیگ اور کانفرنس کے اجلاس علیحدہ علیحدہ منعقد ہوئے تو مسلمانوں کی قوت اتحاد متاثر ہو گی(68)۔ اس برقیہ کو نظرانداز کرتے ہوئے مولوی یعقوب نے 10 اگست 1930ء کو مسلم لیگ کے ممتاز اراکین کے نام ایک خط بھیجا جس میں ان سے ہر زحمت برداشت کر کے بھی لکھنؤ اجلاس میں شرکت کی پرزور درخواست کی گئی تھی(69)۔ نیز 11 اگست

1930ء کو ایک تار کے ذریعے مولوی یعقوب نے سر فیروز خان نون کو مطلع کیا کہ وہ لکھنؤ اجلاس کو ملتوی کرنے کی تجویز سے اتفاق نہیں کرتے(70)- 11 اگست کو قائداعظم نے شمس الحسن کو تار دی کہ ان کا لکھنؤ آنا یقینی نہیں ہے' اور اگر ضروری ہے تو لکھنؤ اجلاس ملتوی کر دیا جائے(71)- 11 اگست ہی سر فیروز خان نون نے شمس الحسن اور مولوی یعقوب کو التوائے اجلاس کے لیے علیحدہ علیحدہ تار دیے(72)- مولوی یعقوب کے نام اپنے برقیہ میں فیروز خان نون نے کہا کہ مختلف صوبوں کی عرض داشتوں کے پیش نظر قائد اعظم نے لکھنؤ اجلاس کے التوا پر اتفاق کر لیا ہے۔ براہ کرم التوائے اجلاس کے لیے اہتمام کیجئے' اور دعویٰ کیا کہ وہ مسلم لیگ کونسل کے پنجابی اراکین کی اکثریت کی ترجمانی کر رہے ہیں(73)- ایسا معلوم ہوتا ہے کہ التوائے اجلاس کی ان کوششوں کی علامہ اقبال کو بھی خبر ہو گئی تھی چنانچہ انہوں نے بھی 11 اگست کو شمس الحسن سے بذریعہ تار دریافت کیا کہ اگر لکھنؤ اجلاس ملتوی ہو گیا ہے تو انہیں مطلع کیا جائے(74)-

12 اگست کو فیروز خان نون نے لکھنؤ میں ہونے والے مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کے التوا کے لیے مولوی یعقوب کو ایک تفصیلی خط لکھا۔ انہوں نے بتایا کہ انہیں مسلم لیگ کے جوائنٹ سیکرٹری نے تار دی تھی کہ قائداعظم سے لکھنؤ اجلاس کو ملتوی کروانے کے لیے رابطہ کروں' اور اب جب قائداعظم اس پر راضی ہو گئے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مقامی رہنما قائد اعظم کے خیالات سے اتفاق کرنے کے لیے تیار نہیں(75)- فیروز خان نون نے مزید وضاحت کی کہ قائداعظم کو ہر صوبہ سے درخواستیں موصول ہوئی تھیں کہ لکھنؤ اجلاس ملتوی کر دیا جائے' اور اگر تمام صوبوں کی رائے عامہ اجلاس کا التوا ہی چاہتی ہے تو ایسا کر دینا ہی مناسب ہو گا(76) - پنجاب کی سیاسی صورتحال کا تذکرہ کرتے ہوئے فیروز خان نون نے لکھا کہ انہیں پنجاب میں کسی کو بھی لکھنؤ اجلاس میں شرکت پر آمادہ کرنے میں شدید دشواری ہو رہی ہے کیونکہ ہر شخص انتخابات میں مصروف ہے' یا تو وہ خود امیدوار ہے یا اپنے دوستوں کے لیے کام کر رہا ہے(77)- اس صورتحال کے پیش نظر نون نے مولوی یعقوب سے درخواست کی کہ وہ اپنے خیالات پر دوبارہ غور کریں اور التوا پر راضی ہو جائیں جس کا تمام ہندوستان سے مطالبہ کیا جا رہا ہے' اور اس بات پر زور دیا کہ یہ ضروری ہے کہ جلسہ لیگ مکمل کامیاب ہو مگر جب تک مختلف صوبوں سے اہم مسلم رہنما لکھنؤ نہ آئیں' مسلم اتحاد کا فریضہ ادا نہیں ہو سکتا۔ انہوں نے یقین دلایا کہ اکتوبر زیادہ دور نہیں ہے اور ہم سب انتخابات سے ستمبر تک فارغ ہو جائیں گے اور اپنی تمام تر توجہ مسلم لیگ کی جانب مبذول کر سکیں گے(78)- اس مکتوب کے علاوہ 12 اگست ہی کو مسلم لیگی رہنماؤں سید مرتضیٰ اور اے۔ کے غزنوی کی طرف سے بھی مولوی یعقوب کو الگ الگ تاروں کے ذریعے انتخابات کی مصروفیت کی بنا پر اجلاس لکھنؤ ملتوی کرنے کی درخواست کی گئی(79)- ان تمام تر التجاؤں کے باوجود مولوی یعقوب سالانہ اجلاس کو مقررہ تاریخوں پر کرنے پر مصر تھے۔ چنانچہ انہوں نے 12 اگست 1930ء کو شمس الحسن سے بذریعہ خط اجلاس کے انتظامات کی پیش رفت کے بارے میں پوچھا اور امید ظاہر کی کہ انہوں نے کسی بھی ممکنہ گڑبڑ کے خاتمہ کا معقول انتظام کر لیا ہو گا(80)- مگر مولوی یعقوب کی تمام تر

مزاحمت اس وقت دم توڑ گئی جب انہیں قائد اعظم کا ارسال کردہ تار ملا کہ انتخابات کی وجہ سے لکھنؤ اجلاس میں شرکت کرنا بہت دشوار ہے' اس لیے اجلاس ملتوی کر دیا جائے(81)- اس حتمی فیصلے کے بعد مولوی یعقوب کے پاس التوائے اجلاس کا اعلان کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا اور اتنا وقت بھی نہ تھا کہ وہ لکھنؤ میں قائم مجلس استقبالیہ سے مشورہ کر سکتے۔ اس صورتحال میں انہیں مجبوراً" تمام اخبارات اور مسلم لیگی زعماء مثلاً" قائداعظم' علامہ اقبال' مولوی شفیع داؤدی' اے۔ کے۔ غزنوی اور منشی اظہر علی کو لکھنؤ اجلاس کے التوا کی خبر بذریعہ تار ہی دینی پڑی(82)- چنانچہ روز نامہ" انقلاب کی 14 اگست کی اشاعت میں مولوی یعقوب کے حوالے سے خبر شائع ہوئی کہ صدر مسلم لیگ' قائداعظم محمد علی جناح کی ہدایات اور تمام اراکین کی خواہش کے مطابق مسلم لیگ کا اجلاس لکھنؤ' تا اطلاع ثانی ملتوی کر دیا گیا ہے(83)- اسی مضمون کا تار شمس الحسن نے بھی علامہ اقبال کی خدمت میں ارسال کیا۔

لکھنؤ اجلاس کے عین وقت پر التوا نے لکھنؤ کی مقامی مسلم لیگی قیادت کو شدید غم و غصہ میں مبتلا کر دیا کیونکہ وہ اعلیٰ سطح پر ہونے والی التوا کی کوششوں سے بے خبر تھے اور جلسے کو کامیاب بنانے کے لیے انتھک محنت میں مصروف تھے۔ نیز اس فیصلے کے بارے میں ان سے کوئی صلاح و مشورہ نہ کیا گیا تھا۔ اس سلسلے میں اپنی صفائی پیش کرنے کے لیے مولوی یعقوب نے 14 اگست 1930ء کو شمس الحسن کو اوپر تلے دو خط لکھے جن میں اچانک اجلاس ملتوی کرنے سے لکھنؤ میں پیدا شدہ مایوسی کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ وہ اس کے قطعی ذمہ دار نہیں ہیں کیونکہ وہ آخر وقت تک جلسہ ہونے پر اصرار کرتے رہے تھے اور لکھنؤ کے احباب سے استدعا کی کہ وہ جلسے کے انتظامات کو قائم رکھیں اور مجلس استقبالیہ اپنا کام جاری رکھے تاکہ اکتوبر کا اجلاس بھرپور کامیاب ہو (84)- اگلے روز یعنی 13 اگست 1930ء کو مولوی یعقوب نے شمس الحسن کو بذریعہ خط دوبارہ تاکید کی کہ وہ ابھی لکھنؤ میں ہی ٹھہریں اور 15 اگست 1930ء کو اگر کورم پورا ہوتا ہے تو مسلم لیگ کونسل کا جلسہ کرکے اس میں صرف سالانہ جلسے کا حسب خواہش قائداعظم التوا تا اکتوبر منظور کر لیں اور اکتوبر کے جلسے کے واسطے کام جاری رکھیں(85)- ان خطوط سے ظاہر ہوتا ہے التوا کا فیصلہ باذل نخواستہ کیا گیا تھا اور مسلم لیگی قیادت اکتوبر ہی میں لکھنؤ ہی میں سالانہ اجلاس کے انعقاد کے بارے میں سنجیدہ تھی۔

ابتداً" ملتوی شدہ سالانہ اجلاس کو اکتوبر کے پہلے ہفتہ ہی میں منعقد کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا مگر اس ضمن میں حتمی تاریخوں کا کوئی اعلان نہ کیا گیا۔ 14 اگست 1930ء کے ایک خط میں علامہ اقبال نے سید نذیر نیازی کو مطلع کیا کہ مسلم لیگ کا ملتوی شدہ اجلاس اکتوبر کے پہلے ہفتے میں غالباً" لکھنؤ میں ہو گا مگر یہ بھی ممکن ہے کہ کسی اور جگہ ہو' اور رائے ظاہر کی کہ "لکھنؤ' پنجاب والوں کے لیے ذرا دور ہے' بہت سے لوگ جانے کے لیے تیار تھے مگر اخراجات سے گھبراتے تھے۔"(86) - 15 اگست 1930ء کو روزنامہ انقلاب میں سر فیروز خان نون کے حوالے سے یہ خبر شائع ہوئی کہ مسلم لیگ اور مسلم کانفرنس کے اجلاس اکتوبر کے پہلے ہفتے تک ملتوی کر دیے گئے ہیں کیونکہ انتخابی

مہم کے دوران مندوبین کا شریک ہونا مشکل تھا(87)۔ مگر ان تمام تر قیاس آرائیوں کے باوجود مسلم لیگ کے مرکزی دفتر کی جانب سے سالانہ اجلاس کے مقام اور وقت کے سلسلے میں کوئی اعلان اخبارات میں شائع نہ ہوا تھا اور نہ ہی دعوتی خطوط جاری ہوئے۔ چنانچہ 29 اگست 1930ء کو علامہ اقبال نے شمس الحسن کو خط لکھ کر دریافت کیا کہ ملتوی شدہ اجلاس کب اور کہاں ہو گا(88)۔

اس مکتوب کے حوالے سے شمس الحسن نے مولوی یعقوب کو اپنے 30 اگست 1930ء کے خط میں تحریر کیا کہ ان کے خیال میں ملتوی شدہ اجلاس لکھنؤ ہی میں ہونا چاہیے کیونکہ استقبالیہ کمیٹی کے پاس کافی روپیہ جمع ہے اور انتظامات بھی مکمل ہیں(89)۔ محض اجلاس کی تاریخوں کے تعین کے لیے مسلم لیگ کونسل کا اجلاس طلب کرنے کی مخالفت کرتے ہوئے شمس الحسن نے رائے دی کہ قائداعظم سے مشورہ کرکے اس کی بابت اخبارات میں اعلان کر دیا جائے کیونکہ دعوتی خطوط میں اس کی مزید وضاحت ہو جائے گی(90)۔ 30 اگست ہی کو شمس الحسن نے علامہ اقبال کو بذریعہ خط مطلع کیا کہ مقام اجلاس تو لکھنؤ ہی رہے گا مگر اجلاس کی تاریخوں کے سلسلے میں قائداعظم سے خط و کتابت ہو رہی ہے جس کا جواب آنے پر ان کو مطلع کر دیا جائے گا' اور رائے دی کہ اکتوبر کے پہلے ہفتے میں 7 اور 8 کی تاریخیں زیادہ موزوں رہیں گی کیونکہ غالباً" بعض قائدین بھی یہی چاہتے ہیں(91)۔

اس خط کے جواب میں علامہ اقبال نے شمس الحسن کو یکم ستمبر1930ء کو مطلع کیا کہ آئندہ اجلاس جہاں بھی ہو 7 یا 8 اکتوبر ان کے لیے موزوں نہیں کیونکہ پنجاب ہائی کورٹ 7 اکتوبر سے کام شروع کر دے گی(92)۔ اس ضمن میں انہوں نے تجویز کیا کہ مذکورہ اجلاس 28 اور 29 ستمبر کو ہونا چاہیے۔ 28 ستمبر کو آخری ہفتہ اور 29 ستمبر کو اتوار ہے چنانچہ اجلاس کے شرکاء کو سہولت ہو گی۔ نیز پنجاب میں انتخابات کا ہنگامہ 22 ستمبر تک ختم ہو جائے گا کیونکہ اکثر مقامات پر امیدوار بلا مقابلہ منتخب ہو گئے ہیں(93)۔ اس خط کا کوئی جواب موصول نہ ہونے پر علامہ اقبال نے 8 ستمبر1930ء کو شمس الحسن کو ایک اور خط لکھا جس میں زور دیا گیا تھا کہ مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کی تاریخ جلد مقرر ہونی چاہیے تاکہ اخباروں کو تشہیر کرنے کے لیے مناسب وقت مل سکے گا(94)۔ مگر یہ مکتوب بھی جواب طلب رہا۔ دراصل ہندوستان بھر میں مسلم لیگی اپنے اپنے حلقوں کی انتخابی گہما گہمی میں مصروف تھے جبکہ صدر مسلم لیگ اور دیگر اہم راہنما پہلی گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے لندن جانے کی تیاریوں میں مشغول تھے۔ چنانچہ ستمبر کے اواخر یا اکتوبر کے پہلے ہفتے میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس منعقد کرنے کا پروگرام دھرے کا دھرا رہ گیا اور اجلاس کے لیے دوبارہ نئی تاریخیں منتخب کرنے کا مرحلہ درپیش ہو گیا۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ انہی دنوں بمبئی کے ممتاز مسلم راہنما ابراہیم رحمتہ اللہ نے علامہ اقبال کو دعوت دی کہ مسلم وفد کے ہمراہ پہلی گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے لندن چلیں' مگر علامہ اقبال نے مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں شرکت کی بنا پر معذرت کر لی(95)۔

24 ستمبر1930ء کو علامہ اقبال نے سیکرٹری مسلم لیگ کو بذریعہ خط مطلع کیا کہ انہیں

قائداعظم کا ایک خط موصول ہوا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ سالانہ اجلاس کی تاریخ اور جگہ کے تعین کے لیے مسلم لیگ کونسل کی میٹنگ طلب کی جائے اور بتایا کہ انہوں نے قائداعظم کو مشورہ دیا ہے کہ وہ خود ہی اجلاس کی تاریخ مقرر کر دیں اور اسے لکھنؤ ہی میں منعقد کیا جائے کیونکہ وہاں اجلاس کے انعقاد کی تیاریاں ہو چکی ہیں۔ کسی اور مقام کے انتخاب میں نہ صرف وقت ہو گی بلکہ وہاں کے لوگ اس بات کا تقاضا کریں گے کہ لیگ کے اجلاس کو کامیاب بنانے کے لیے مزید وقت کی ضرورت ہے(96)۔ اس ضمن میں علامہ نے سیکرٹری مسلم لیگ کو مشورہ دیا کہ سالانہ اجلاس کے انعقاد کے لیے 18 اکتوبر (ہفتہ) کی تاریخ موزوں رہے گی' چنانچہ وہ قائداعظم سے جلد خط و کتابت کرکے اس کا اعلان کر دیں کیونکہ قائداعظم 14 اکتوبر کو انگلستان جا رہے ہیں اور اجلاس کی کامیابی کا دارومدار اس بات پر ہے کہ تاریخ اجلاس کا اعلان جہاں تک ممکن ہو' جلد ہو جائے(97)۔ اس خط کے حوالے سے 25 ستمبر 1930ء کو شمس الحسن نے منشی اطہر علی کو لکھنؤ اور مولوی محمد یعقوب کو مراد آباد خطوط ارسال کیے کہ علامہ اقبال کے خیال میں 18 اکتوبر کی تاریخ سالانہ اجلاس کے انعقاد کے لیے موزوں ہے' اور ان سے استدعا کی کہ اپنی سہولتیں مدنظر رکھ کر اس تجویز کے متعلق اپنی آراء سے مطلع کریں(98)۔

ابھی ان خطوط کے جواب موصول نہ ہوئے تھے کہ 29 ستمبر 1930ء کو علامہ اقبال نے شمس الحسن کو ایک اور خط تحریر کیا جس میں زور دیا گیا تھا کہ لیگ کا سالانہ اجلاس مسلم کانفرنس کے ملتوی شدہ اجلاس سے پہلے لکھنؤ میں 18 اکتوبر کو ہونا چاہیے(99)۔ محض جگہ اور وقت کے تعین کے لیے مسلم لیگ کونسل کا اجلاس طلب کرنے کو وقت کا ضیاع قرار دیتے ہوئے علامہ نے لکھا کہ انہیں امید نہیں کہ لوگ مسلم لیگ کونسل کے اجلاس میں شرکت کے لیے پہلے دہلی یا لاہور جائیں اور پھر کانفرنس اور لیگ کے اجلاسوں کے لیے لکھنؤ یا کسی اور مقام کا سفر کریں(100)۔ علامہ اقبال نے اس بات کی بھی نشاندہی کی کہ پنجاب کی مجلس قانون ساز کا اجلاس بھی 12 اکتوبر سے شروع ہونا متوقع ہے جس کے باعث پنجاب سے لوگ مسلم لیگ کے کونسل اجلاس کے لیے نہ آسکیں گے اور آخر میں ملک فیروز خان نون کی رائے درج کی کہ کونسل کا اجلاس ضروری تو نہیں ہے(101)۔ مسلم لیگ کے مرکزی دفتر سے کوئی حتمی اطلاع موصول نہ ہونے پر 2 اکتوبر کو علامہ اقبال نے شمس الحسن کو ایک اور خط تحریر کیا کہ اگر کونسل کا اجلاس منعقد کرنے کا فیصلہ ہو چکا ہے تو انہیں اس کی جائے انعقاد اور تاریخ مقررہ سے مطلع کیا جائے کیونکہ مسلم لیگ کی طرف سے کوئی اطلاع اخبارات میں شائع نہیں ہوئی اور لوگ ان سے دریافت کر رہے ہیں(102)۔ یہ خط بھی حسب سابق تشنہ جواب ہی رہا۔ دریں اثنا لاہور سے شائع ہونے والے ممتاز اردو روزنامہ سیاست نے تجویز پیش کی کہ مولانا جوہر کی عدم موجودگی میں جو پہلی گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے لندن گئے ہوئے تھے' علامہ اقبال کو مسلم کانفرنس کے ملتوی شدہ اجلاس کا صدر منتخب کیا جائے(103)۔ اس تجویز کی تائید میں 7 اکتوبر 1930ء کی اشاعت میں مدیر انقلاب نے "آل پارٹیز مسلم کانفرنس کی صدارت" کے عنوان سے ایک اداریہ لکھا جس میں کہا گیا تھا کہ اگر مسلم لیگ کے اجلاس میں تاخیر ہو یا مسلم

کانفرنس کے ساتھ لیگ کا اجلاس منعقد نہ ہو سکتا ہو تو مسلم کانفرنس کے اجلاس کی صدارت کے لیے علامہ اقبال کو ہر حال میں مجبور کیا جائے تاکہ اس نازک موقع پر قوم ان کے خیالات سے استفادہ کر سکے(104)۔

مندرجہ بالا سطور سے یہ حقیقت عیاں ہے کہ علامہ اقبال اور ان کے رفقاء ہندوستان کی تیزی سے بدلتی ہوئی سیاسی صورتحال کے پیش نظر مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے متحدہ قومی موقف کے اظہار کے خواہش مند تھے تاکہ انگلستان میں پہلی گول میز کانفرنس کے شرکاء اور برطانوی رائے عامہ کے سامنے مسلم نقطہ نظر پوری صراحت کے ساتھ پیش کیا جا سکے۔ تاہم مسلم لیگی زعماء کی ہر ممکن سعی اور علامہ اقبال کی تمام تر نیک خواہشات کے باوجود اکتوبر میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس لکھنؤ میں منعقد نہ ہو سکا اور انجام کار سب کی نگاہیں کرسمس کی تعطیلات پر جا لگیں کیونکہ اب دسمبر کے آخری عشرے ہی میں کسی سیاسی اجتماع کا انعقاد ممکن تھا۔ مگر ایک بار پھر اجلاس کے لیے موزوں جگہ کی تلاش کا مرحلہ درپیش ہو گیا کیونکہ لکھنؤ کے مسلم لیگی قائدین دسمبر میں اجلاس کی میزبانی سے پس و پیش کر رہے تھے اور ان کی رائے تھی کہ مارچ 1931ء میں' جب مسلم نمائندے لندن سے واپس آ جائیں' تب ہی وہاں لیگ کا سالانہ اجلاس منعقد کیا جائے(105)۔

3 نومبر 1930ء کو مولوی محمد یعقوب نے شمس الحسن کو تحریر کیا کہ "سر اقبال کی بہت خواہش ہے کہ کسی طرح مسلم لیگ کا اجلاس منعقد ہو سکے۔ بڑے دن (کرسمس) سے پیشتر کوئی صورت جلسہ کی مجھے معلوم نہیں ہوتی۔ اس سال بڑے دن کی تعطیل میں بنارس میں آل ایشیا ایجوکیشنل کانفرنس اور آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس ہونے والی ہے' اس لیے میرا خیال ہے کہ اگر بنارس سے مسلم لیگ کو بھی دعوت مل سکے تو وہاں جلسہ ہو سکے گا۔ سر اقبال بھی اس پر راضی ہو گئے ہیں۔ لہٰذا آپ مراد آباد آ جائیں تو آپ کو یہاں سے بنارس جانا ہو گا تاکہ آپ وہاں سے دعوت حاصل کرنے کی کوشش کریں۔"(106)۔

بنارس یوں تو ہندو اکثریت کا علاقہ تھا اور ہندوؤں کے نزدیک مذہبی تقدس کا بھی حامل تھا' مگر مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس کی وجہ سے کرسمس کی تعطیلات میں وہاں مسلمانوں کا خاصا اجتماع ہونے کی توقع تھی' اور چونکہ مسلم لیگ اور ایجوکیشنل کانفرنس کے ممبران تقریباً یکساں تھے' اس لیے ایک ہی وقت اور مقام پر دونوں جلسوں کے ساتھ ساتھ ہونے سے دونوں اجتماعات کو ایک دوسرے سے تقویت پہنچنے اور دونوں کی رونق بڑھنے کا بھی قوی امکان تھا۔ مگر مسلم لیگ اپنی کمزور مالی حالت کی بنا پر سالانہ اجلاس کے مصارف برداشت کرنے سے بھی قاصر تھی اور وہاں کسی ذی حیثیت مسلم میزبان کی تلاش میں تھی' چنانچہ مولوی یعقوب نے شمس الحسن کو ممتاز لیگی رہنما عبدالجبار کی خدمت میں بھیجتے ہوئے ان سے استدعا کی کہ وہ دیوان اجمیر شریف کی وساطت سے بابا خلیل احمد جو مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے بنارس میں میزبان تھے' سے درخواست کریں کہ وہ مسلم لیگ کی بھی مہمانداری اور سرپرستی قبول فرمالیں کیونکہ "دو برس سے مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس نہیں ہو سکا اور اس وقت بھی جبکہ نہایت اہم سیاسی معاملات درپیش ہیں' مسلم لیگ کے جلسہ نہ

ہونے کے معنی مسلم لیگ کا فنا ہو جانا ہے۔"(107)- بابا خلیل احمد کے ممکنہ خدشات کا سدباب کرتے ہوئے مولوی یعقوب نے انہیں یقین دلایا کہ مسلم لیگ کسی طرح بھی حکومت کی مخالف نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کے مذہبی اور قومی حقوق کی حفاظت کے لیے کوشاں ہے' نیز کانگریس کی موجودہ تحریک سول نافرمانی سے مسلم لیگ سخت اختلاف رکھتی ہے اور اس وقت جلسہ کرنے کی ایک بڑی غرض یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کو کانگریس کی تحریکات میں شامل ہونے سے روکا جائے(108)- یہ سعی کامیاب ہوئی اور بابا خلیل احمد نے مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کی بنارس میں میزبانی کرنے کی درخواست قبول کر لی(109)- مولوی یعقوب نے اس دعوت کا شکریہ ادا کرتے ہوئے انہیں مطلع کیا کہ وہ مسلم لیگ کونسل کا ہنگامی اجلاس دہلی میں 10 ستمبر 1930ء کو منعقد کر رہے ہیں تاکہ اراکین کونسل کی رسمی منظوری حاصل کر لی جائے(110)- 3 دسمبر 1930ء کی اشاعت میں روزنامہ انقلاب نے شمس الحسن کے حوالے سے خبر شائع کی کہ مولوی یعقوب کی خدمت میں بنارس سے دعوت موصول ہوئی ہے کہ لیگ کا سالانہ اجلاس کرسمس کی تعطیلات میں بنارس میں منعقد کیا جائے(111)- غالباً" اسی خبر کے حوالے سے علامہ اقبال نے سید نذیر نیازی کے نام اپنے مکتوب محررہ 9 دسمبر 1930ء میں تحریر کیا کہ وہ غالباً" بنارس جائیں گے(112)- مگر جلد ہی بنارس میں چند ایسی مشکلات پیدا ہو گئیں کہ وہاں سالانہ اجلاس کا انعقاد ناممکن ہو گیا۔

4 دسمبر 1930ء کو بنارس مسلم لیگ کونسل کے رکن مولوی طفیل احمد' جو بنارس میں سالانہ اجلاس کا اہتمام کر رہے تھے' نے مولوی یعقوب کو اطلاع دی کہ طعام کا بندوبست تو بابا خلیل کر رہے ہیں مگر مہمانوں کی رہائش کے لیے خیمے مسلم لیگ کو خود کرایہ پر لینے پڑیں گے(113)- اس طرح جلسے کے لیے موزوں جگہ کا چناؤ بھی مشکل ہو گیا تھا کیونکہ جے نرائن کالج بنارس کے احاطہ میں جہاں جلسہ منعقد کرنے کا خیال تھا' وہاں کی انتظامیہ نے سیاسی اجتماع ہونے کی بنا پر جگہ دینے سے انکار کر دیا تھا(114)- اس کے بعد ٹاؤن ہال بنارس کا انتخاب کیا گیا مگر وہاں کرسیاں ندارد تھیں' اور انہی دنوں کئی اور اجتماعات ہونے کی بنا پر کرایہ پر بھی کرسیاں ملنی محال تھیں(115)- اس صورتحال کے تدارک کے لیے مولوی طفیل نے تجویز پیش کی کہ مسلم لیگ کا جلسہ 30 اور 31 دسمبر کو کر لیا جائے اور ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس ایک دن پہلے ختم کر لیے جائیں تاکہ حاضرین کے لیے کرسیاں دستیاب ہو سکیں(116)- اس پیچیدہ صورتحال نے مولوی یعقوب کو پریشان کر دیا اور انہوں نے 6 دسمبر 1930ء کو بذریعہ خط شمس الحسن کو ہدایت کی کہ وہ مولوی طفیل احمد سے صلاح و مشورہ کے لیے ان کے پاس چلے جائیں(117)- 7 دسمبر 1930ء کو مولوی طفیل احمد نے سیکرٹری مسلم لیگ کو بنارس میں سالانہ اجلاس کے انتظامات کے سلسلے میں مزید اطلاعات دیتے ہوئے لکھا کہ ٹاؤن ہال میں جلسے کے لیے کرسیاں کرایہ پر لینی پڑیں گی جن کا کرایہ فی کرسی ایک آنہ یومیہ ہے۔ مزید' اس عمارت میں تین چار سو سے زیادہ کرسیاں نہیں آ سکتیں جبکہ اجلاس میں صد ہا مندوبین کی آمد متوقع تھی(118)- مہمانوں کی رہائش کے بارے میں لکھا کہ ابھی تک انہیں صرف دس خیمے بلا کرایہ ملے ہیں جو ناکافی ہیں' اور مرکزی دفتر کو مزید خیموں کا انتظام کرنے کی درخواست کی(119)- ظاہر ہے

کہ مرکزی دفتر خود لیگ کے معاملات انتہائی مشکل سے چلا رہا تھا اور اس وسیع انتظام کے قابل نہ تھا۔ مزید بر آں مالی مشکلات بھی سد راہ تھیں۔

مسلم لیگ کے اکابر ابھی اسی ادھیڑ بن میں تھے کہ الہ آباد سے حاجی سید محمد حسین، ممبر کونسل آف سٹیٹ و صدر تنظیم الہ آباد نے سیکرٹری مسلم لیگ کو 8 دسمبر 1930ء کو بذریعہ تار دعوت دی کہ کرسمس کی تعطیلات کے دوران الہ آباد میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس منعقد کیا جائے (120)۔ اگلے دن 9 دسمبر 1930ء کو حاجی محمد حسین نے سیکرٹری مسلم لیگ کے نام ایک اور تار کے ذریعے مندوبین کے قیام و طعام کی ذمہ داری قبول کرتے ہوئے مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس الہ آباد ہی میں کرنے پر اصرار کیا(121)۔ بنارس میں پیدا شدہ غیر متوقع انتظامی مشکلات کے پیش نظر مسلم لیگ کے قائدین نے اس دعوت کو امداد غیبی تصور کیا اور 10 دسمبر 1930ء کو منعقدہ مسلم لیگ کونسل کے ہنگامی اجلاس میں متفقہ طور پر حاجی سید محمد حسین کی وساطت سے موصول شدہ مسلمانان الہ آباد کی اس دعوت کو قبول کر لیا کہ علامہ اقبال کی صدارت میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس الہ آباد میں منعقد کیا جائے(122)۔ بنارس میں درپیش انتظامی دشواریوں کے علاوہ مسلم لیگ کونسل کے پیش نظر یہ امر بھی تھا کہ انہی دنوں الہ آباد میں علماء کانفرنس اور تنظیم کانفرنس کے اجلاس بھی منعقد ہو رہے تھے جس سے وہاں مسلمانوں کا ایک اچھا خاصا اجتماع ہونے کی امید تھی۔ نیز بنارس سے الہ آباد کا صرف تین گھنٹے کا سفر تھا جس کی وجہ سے مسلم ایجوکیشنل کانفرنس اور مسلم لیگ کے مشترکہ ممبران بہ سہولت دونوں شہروں میں آ جا سکتے تھے(123)۔

مسلم لیگ کے گزشتہ فیصلوں کی نسبت الہ آباد میں سالانہ اجلاس کے انعقاد کی اطلاع علامہ اقبال کو فوراً مل گئی۔ چنانچہ 11 دسمبر 1930ء کو سید نذیر نیازی کے نام اپنے مکتوب میں تحریر کرتے ہیں کہ مسلم لیگ کا جلسہ بنارس کی جگہ الہ آباد میں ہو گا جس میں شرکت کے لیے وہ غالباً" 27 دسمبر 1930ء کو الہ آباد جائیں گے(124)۔

اس فیصلے سے باشعور مسلم حلقوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ 18 دسمبر کی اشاعت میں روزنامہ انقلاب نے الہ آباد میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس منعقد کرنے کا خیر مقدم کرتے ہوئے امید ظاہر کی کہ علامہ اقبال کی رہنمائی میں لیگ کا یہ اجلاس نہایت کامیاب ہو گا اور اس نازک زمانے میں مسلمانوں کی صحیح ترجمانی اور رہنمائی کا پورا پورا حق ادا کرے گا۔ اخبار نے مسلمانان ہند پر زور دیا کہ الہ آباد کے اجلاس میں جوق در جوق شریک ہوں اور علامہ اقبال کا خطبہ صدارت سنیں جس میں وہ اپنے مخصوص انداز میں مسلمانوں کو ایک نہایت روشن نصب العین کی طرف توجہ دلا کر پیغام عمل دیں گے(125)۔

الہ آباد کا اصل نام پریاگ تھا۔ اس کا شمار ہندوستان کے قدیم ترین شہروں میں ہوتا تھا۔ گنگا، جمنا اور ہندو دیو مالا کے مطابق ایک گمشدہ دریا سرسوتی کا سنگم ہونے کے باعث یہ شہر تربینی بھی کہلاتا تھا۔ ہندو روایات کے مطابق راجہ ہرش کی بہن اسی جگہ ہر سال دان پن کے لیے آتی تھی۔ اسی وجہ سے الہ آباد ہندوؤں کے لیے انتہائی تقدس کا حامل تھا اور ہندوستان کے ہر حصے سے

لاکھوں زائرین کنبھ کے میلے میں یاترا اور اشنان کرنے آیا کرتے تھے(126)- غیر منقسم ہندوستان میں الہ آباد ایک خاص سیاسی اہمیت کا بھی حامل تھا۔ یہ شہر مشہور ہندو رہنماؤں موتی لال نہرو اور جواہر لال نہرو کا مولد و مسکن تھا۔ موتی لال نہرو نے کانگریس میں شمولیت کے بعد اپنی عالی شان رہائش گاہ "آنند بھون" کو ہندو قوم کے لیے وقف کر دیا تھا اور اسے "سوراج بھون" کا نام دیا تھا۔ اس مکان میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا صدر دفتر واقع تھا اور گاندھی الہ آباد میں قیام کے دوران یہیں ٹھہرا کرتے تھے(127)-

الہ آباد میں مسلمانوں کی عمومی حالت نہایت خستہ تھی اور اکبر الہ آبادی کی رحلت کے بعد ان میں کوئی صحیح قومی رہنما موجود نہ تھا۔ ہرچند ایک ڈاکٹر شفاعت احمد خان تھے، مگر وہ بھی پہلی گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے لندن گئے ہوئے تھے(128)- ان کی عدم موجودگی میں حافظ غضنفر اللہ، ممبر کونسل اور ان کے احباب نے مقدور بھر جلسے کی تنظیم، مہمانوں کے استقبال اور قیام و طعام کی ذمہ داری نبھانے کی کوشش کی۔ اس کے علاوہ الہ آباد سے شائع ہونے والے ہفت روزہ اخبار سٹار کے ایڈیٹر رحم علی الہاشمی اور الہ آباد یونیورسٹی کے شعبہ تاریخ کے ریسرچ سکالر احمد الدین مارہروی نے جلسہ کی تشہیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اخبارات، پوسٹرز اور دستی اشتہارات کے ذریعے خوب پروپیگنڈا کیا(129)- مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حاجی سید محمد حسین مسلم لیگ کے رہنماؤں کی توقعات پر پورا نہ اتر سکے۔ انہوں نے نہ تو سالانہ اجلاس کی حتمی تاریخوں کا اعلان کیا اور نہ ہی مرکزی دفتر کو جلسے کے انتظامات سے باخبر رکھ سکے۔ 16 دسمبر 1930ء کو الہ آباد کے لیگی کارکن رفیع الدین نے شمس الحسن کے نام اپنے مکتوب میں اجلاس کے ناقص انتظامات کی اطلاع دی(130)- 19 دسمبر 1930ء کو مولوی یعقوب نے بمبئی سے شمس الحسن کے نام اپنے مکتوب میں لکھا کہ وہ یہاں لوگوں کو سالانہ اجلاس میں شرکت کے لیے آمادہ کر رہے ہیں مگر کامیابی کے امکانات موہوم ہیں، اور انہیں ہدایت کی کہ الہ آباد میں مہمانوں کے قیام کے انتظامات کے بارے میں معلومات حاصل کرکے ایسوسی ایٹ پریس کے ذریعے اس بندوبست کو مشتہر کیا جائے(131)- اگلے روز یعنی 20 دسمبر 1930ء کو شمس الحسن کے نام ایک اور خط میں تنگی وقت کی بنا پر مندوبین کو علیحدہ علیحدہ دعوتی خطوط کے اجراء کو رد کرتے ہوئے مولوی یعقوب نے بتایا کہ انہوں نے انگریزی اور اردو اخبارات میں دعوت نامہ شائع کروا دیا ہے(132)- الہ آباد میں انتظام جلسہ کے بارے میں اظہار تشویش کرتے ہوئے مولوی یعقوب نے لکھا کہ ابھی تک سید محمد حسین سے تاریخ جلسہ کا فیصلہ نہ ہوا، اور بتایا کہ انہوں نے سید محمد حسین کو تار دیا ہے کہ 28 دسمبر کی سہ پہر کو جلسہ شروع کیا جائے اور 29 کی شام کو ختم کر دیا جائے۔ ان کا جواب آنے پر لیگ کونسل کا نوٹس درست کرکے روانہ کر دوں گا اور آپ کو بھی لکھوں گا کہ آپ فوراً" الہ آباد چلے جائیں، اس واسطے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سید محمد حسین نے ابھی تک کوئی انتظام نہیں کیا ہے(133)- اگلے دو دن بھی بلا کسی پیش رفت کے گزر گئے حتیٰ کہ شمس الحسن جیسے مستقل مزاج اور ہر قیمت پر سالانہ اجلاس کے انعقاد کے خواہشمند بھی ناامید ہو گئے۔ 22 دسمبر کو انہوں نے مولوی یعقوب کو لکھا "آج کی ڈاک سے

بھی مسودہ ایجنڈا نہیں ملا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ الہ آباد سے آپ کے تاروں کا جواب نہیں آیا۔ ایسی صورت میں یہی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اخبارات کے ذریعے سالانہ اجلاس کے التوا کا اعلان کر دیا جائے کیونکہ مجھے یقین ہے کہ اس حالات میں قواعد ودستور کو بالائے طاق رکھتے ہوئے بھی اگر ہم وہاں جلسہ کریں گے تو بجز بدنامی کچھ حاصل نہ ہو گا۔ ممبران کی شکایات کا ایک طوفان برپا ہو جائے گا جس کو دبانا مشکل ہو گا۔ ان شاء اللہ جب مارچ 1931ء میں مسلم شرکاء لندن سے واپس آ جائیں گے تو لیگ کا سالانہ اجلاس کیجئے گا۔ لکھنؤ کے احباب کا بھی اس پر زور تھا" (134)۔ مگر شاید لکھنؤ اور بنارس میں اجلاس منعقد کرنے کا اعلان کرکے ملتوی کرنے کے بعد مولوی یعقوب اب تیسرے التوا کے حق میں نہیں تھے۔ چنانچہ 24 دسمبر 1930ء کو مولوی یعقوب نے شمس الحسن کو کونسل لیگ کا ایجنڈا درست کرکے روانہ کرتے ہوئے انہیں ہدایت کی کہ اس کو جاری کرنے کے بعد وہ فوراً" الہ آباد چلے جائیں اور وہاں ہونے والے انتظامات سے انہیں جلد مطلع کریں(135)۔ اجلاس کی حتمی تاریخیں طے نہ ہونے پر مولوی یعقوب نے اظہار تشویش کرتے ہوئے لکھا کہ حاجی محمد حسین نے تاریخ مقرر کرنے میں بڑی گڑبڑ کر رکھی ہے۔ علامہ اقبال چاہتے ہیں کہ 31 دسمبر کو واپس لاہور پہنچ جائیں۔ اس لحاظ سے پہلا اجلاس 28 دسمبر کی سہ پہر کو ہونا چاہیے اور باقی دو اجلاس 29 دسمبر کو کرکے اسی شام کو جلسہ جلد ختم کر دیا جائے(136)۔ بہرحال' اجلاس کی تاریخوں کے سلسلے میں علامہ اقبال اور مولوی محمد یعقوب کی خواہشات پوری نہ ہو سکیں۔

25 دسمبر 1930ء کو انقلاب میں خبر شائع ہوئی کہ مسلم لیگ کا اجلاس 29' 30 اور 31 دسمبر کو الہ آباد میں علامہ اقبال کے زیر صدارت ہو گا جس میں شرکت کے لیے علامہ 27 دسمبر کی شام کو لاہور سے روانہ ہو کر 28 دسمبر کو الہ آباد پہنچ جائیں گے۔ اخبار نے مسلمانان پنجاب سے اپیل کی کہ وقت برداشت کرکے بھی اس جلسے میں ضرور شریک ہوں(137)۔ 27 دسمبر کی اشاعت میں انقلاب نے خبر دی کہ مسلم لیگ کا دفتر ایک ہفتہ کے لیے دہلی سے الہ آباد منتقل کر دیا گیا ہے' اور علامہ کے ساتھ لاہور اور پنجاب کے دوسرے شہروں کے متعدد اکابرین بھی لیگ کے اجلاس میں شرکت کے لیے الہ آباد جا رہے ہیں۔ اخبار نے یہ بھی اطلاع دی کہ 29 دسمبر کو علامہ اقبال اور سیٹھ عبداللہ ہارون ایم ایل اے (کراچی) جو انہی دنوں میں الہ آباد میں منعقد ہونے والی آل انڈیا تنظیم کانفرنس کی صدارت کے لیے منتخب کیے گئے ہیں' کا جلوس نکالا جائے گا اور اجلاس کے اختتام پر کشتیوں اور تفریحی کھیلوں کے مقابلے ہوں گے(138)۔

27 دسمبر کو فتح پور کے مسلم لیگی رہنما امیر حسن خان نے سیکرٹری مسلم لیگ کو مطلع کیا کہ اگر علامہ اقبال 29 دسمبر کو صبح اس راستے سے گزرے تو انہیں ریلوے اسٹیشن پر ایک شاندار استقبالیہ دیں گے اور درخواست کی کہ 30 دسمبر کو یو پی کے ممتاز شاعر مولانا محمد ابراہیم' جنہیں فردوسی ہند بھی کہا جاتا ہے' کو پنڈال میں موقع کی مناسبت سے لکھی گئی ایک نظم پڑھنے کی اجازت دی جائے(139)۔ نمائندہ انقلاب نے 28 دسمبر کو الہ آباد سے لیگ کے اجلاس کی تیاریوں کا آنکھوں دیکھا حال بیان کرتے ہوئے لکھا کہ "مسلم لیگ کے اجلاس کے انتظامات تقریباً" مکمل ہو چکے ہیں۔

مولوی یعقوب تشریف لے آئے ہیں۔ تنظیم اور لیگ کے دفتر 27 دسمبر سے کھل چکے ہیں۔ لیگ کونسل کا اجلاس 28 دسمبر کو ہو گا جبکہ پہلا کھلا اجلاس 29 دسمبر کو 8 بجے صبح مجیدیہ سکول کے باہر میدان میں منعقد ہو گا۔ مندوبین کے قیام کا بندوبست بھی مجیدیہ سکول میں کیا گیا ہے۔ 29 دسمبر کو ایک بجے بعد دوپہر کشتیاں شروع ہوں گی جو پورا دن جاری رہیں گی۔ علامہ اقبال اور عبداللہ ہارون جب پنجاب میل سے وارد ہوں گے تو وہ انہیں ریلوے اسٹیشن سے جلوس کی شکل میں لایا جائے گا جو شہر بھر سے ہوتا ہوا' نواب محمد یوسف کے مکان پر ختم ہو گا جہاں دونوں صاحبان فروکش ہوں گے(140)۔

الہ آباد ریلوے سٹیشن پر علامہ اقبال کا تاریخی استقبال ہوا۔ ان کا خیر مقدم کرنے والوں میں مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلم بھی شامل تھے۔ الہ آباد کے باسیوں کے بقول ایسا مجمع پہلے کبھی دیکھنے میں نہیں آیا تھا۔ پلیٹ فارم' ریل گاڑی کے ڈبوں کی چھتوں حتیٰ کہ ریلوے سٹیشن کے باہر بھی کھوا سے کھوا چھل رہا تھا اور مجمع سے گاہے بہ گاہے شاعر اعظم زندہ باد کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں(141)۔ الہ آباد کی مسلم قصاب برادری نہ صرف انتہائی بااثر اور منظم تھی بلکہ قومی معاملات میں جوش و خروش سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا کرتی تھی۔ اس کے اراکین قومی جلوسوں کے موقع پر لاٹھیاں لے کر ایک گروہ کی شکل میں آگے آگے چلتے اور مختصر دورانیہ کے بعد نعرہ تکبیر کی صدا کے ساتھ انہیں اس زور سے زمین پر مارتے کہ در و بام لرز جاتے۔ علامہ اقبال کے استقبال کے لیے ان کا ایک دستہ بھی پلیٹ فارم پر موجود تھا جس نے گاڑی رکتے ہی نعرہ تکبیر کی صداؤں سے فضا کو گرما دیا جس سے علامہ کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی(142)۔ بے پناہ ہجوم کی بنا پر الہ آباد یونیورسٹی مسلم ہوسٹل اور اسلامیہ سکول الہ آباد کے طالب علموں کے خیر مقدمی پروگرام بھی درہم برہم ہو کر رہ گئے(143) خیر مقدم کی طرح استقبالیہ جلوس بھی بے مثل رہا۔ راستے بھر میں سڑکوں' درختوں' چھتوں اور دیواروں پر تل دھرنے کی جگہ نہیں تھی اور منتظمین کو معزز مہمانوں کو ان کی قیام گاہ تک پہنچانے میں خاصی تگ و دو کرنی پڑی۔ علامہ اقبال اور ان کے احباب اس عظیم الشان جلوس کی معیت میں نواب سر محمد یوسف کی کوٹھی واقع ساؤتھ روڈ' الہ آباد پہنچے جہاں انہوں نے قیام کیا(144)۔

علامہ اقبال کے استقبال کے لیے عوام نے جس جوش و خروش اور دلی عقیدت کا مظاہرہ کیا' جلسے کے منتظمین نے اس کے برعکس جلسہ گاہ میں حاضرین کی موجودگی کو یقینی بنانے کا کوئی معقول بندوبست نہیں کیا۔ الہ آباد میں سیاسی جلسے عموماً" شہر سے باہر ایک وسیع باغ میں واقع میو ہال میں ہوا کرتے تھے اور مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس بھی وہیں منعقد کرنے کا پروگرام تھا مگر دفعتہ" جلسے کا مقام بدل کر شہر کے اندر واقع ایک غیر معروف حویلی میں کر دیا گیا جس میں ہال سرے سے ندارد اور اندرونی صحن میں بمشکل چند آدمیوں کے بیٹھنے کی جگہ تھی(145)۔ جلسہ گاہ' محلہ یاقوت گنج میں شیر شاہ سوری کی بنوائی ہوئی شاہراہ اعظم پر واقع ایک دو منزلہ عمارت تھی جس کا بلند و بالا مرکزی دروازہ سڑک کی طرف کھلتا تھا اور اس پر اردو میں "دوازدہ منزل" تحریر تھا(146)۔ یہ عمارت شہر

کے ممتاز مسلم تاجر شیخ رحیم بخش کی ملکیت تھی جن کا شمار الہ آباد کے پڑھے لکھے معزز مسلمانوں میں ہوتا تھا اور وہ صوفیوں، بزرگوں اور عالموں کی مجالس میں شرکت کو اپنے لیے باعث اعزاز جانتے تھے(147)- جلسہ گاہ کی تبدیلی کی دو وجوہات بیان کی جاتی ہیں۔ پہلی یہ کہ مقامی سیاسی دھڑے بندی کی بنا پر مخالف جماعتوں کی طرف سے مظاہرے اور گڑبڑ کا اندیشہ تھا اور دوسری یہ کہ شہر میں مسلم سیاست کی زبوں حالی کو دیکھتے ہوئے جلسہ میں بہت کم شرکا متوقع تھے۔ چنانچہ دو از دہ منزل کے نسبتاً" مختصر مگر محفوظ صحن کو سالانہ اجلاس کے لیے موزوں خیال کیا گیا(148)-

اسی "دو از دہ منزل" میں علامہ اقبال کی صدارت میں مسلم لیگ کا اکیسواں سالانہ اجلاس 29 دسمبر 1930ء کو صبح گیارہ بجے شروع ہوا۔ ابتدا میں حاضرین کی تعداد مایوس کن طور پر کم تھی اور نصف کرسیاں خالی تھیں۔ حاضرین میں بڑی تعداد ایسے حضرات کی تھی جو انگریزی سے نابلد ہونے کے ساتھ ساتھ سیاسی مسائل کو سمجھنے کی اہلیت سے بھی عاری تھے اور جلسہ کو مشاعرہ سمجھ کر علامہ اقبال کے کلام سے لطف اندوز ہونے آئے تھے(149)- شہر کے عمائد اور دانشوروں میں سے بھی چند ہی موجود تھے، البتہ الہ آباد یونیورسٹی کے مسلم ہوسٹل کے مکینوں کا ایک گروہ اپنے روحانی قائد کی تقریر سننے کے لیے ہمہ تن گوش تھا اور علامہ اقبال بھی اپنے خطبے کے دوران زیادہ تر انہی نوجوانوں کی طرف متوجہ رہے(150)-

جلسے کے شرکا کی کل تعداد کے بارے میں بھی مختلف آراء ہیں۔ مفتی فخر الاسلام، جو تقسیم سے پہلے الہ آباد شہر میں مسلم لیگ کے صدر اور یو پی اسمبلی کے رکن رہ چکے ہیں، کے خیال میں جلسے میں مشکل سے چار پانچ سو آدمی موجود تھے(151)- ایک اور مسلم لیگی کارکن عبدالحی عباسی، جو جلسے میں شریک تھے، کے بیان کے مطابق حاضرین کی تعداد اس سے بھی کم تھی اور ان میں بہت سے مدرسہ کے طالب علم بھی شامل تھے جو شاید تفریحاً" شریک ہو گئے تھے(152)- بہرحال انڈین اینوئل رجسٹر 1930ء کے مرتب کے مطابق شرکا کی تعداد چھ سو تھی جس میں اکثریت مقامی لوگوں کی تھی۔ اس کے علاوہ الہ آباد کے کئی اعزازی مجسٹریٹ اور حکومتی ملازمین بھی شریک جلسہ تھے(153)- سالانہ اجلاس میں شریک ممتاز مقامی زعماء میں نواب محمد یوسف، مفتی فخر الاسلام، عبدالحی عباسی، احمد الدین مارہروی، رحم علی الہاشمی ایڈیٹر ہفتہ وار سٹار الہ آباد، سید محمد حسین ممبر کونسل آف سٹیٹ اور صدر استقبالیہ کمیٹی، بیرسٹر شیخ ظہور احمد، ڈاکٹر ایم یو ایس جنگ اور شیخ رحیم بخش وغیرہ نمایاں تھے(154)- باہر سے آنے والے مندوبین کے بارے میں کئی سو افراد کا تخمینہ لگایا گیا تھا مگر ان کی تعداد دو درجن سے زیادہ نہ تھی۔ نمایاں بیرونی مہمانوں میں مولوی محمد یعقوب (مراد آباد)، نواب محمد اسمٰعیل خان (میرٹھ)، حسین امام (گیا)، سید حبیب شاہ (لاہور)، سر عبدالقادر (لاہور)، سیٹھ عبداللہ ہارون، ایم ایل اے (کراچی)، حفیظ الرحمٰن، محمد عظیم (غازی پور)، مولانا عبدالمجید سندھی (حیدر آباد، سندھ)، مولوی عبدالقادر قصوری (لاہور)، سید ذاکر علی (لکھنؤ)، مولانا عبدالماجد (بدایوں)، سیٹھ طیب علی (کراچی)، مولوی علاؤ الدین (میرٹھ)، مولانا عبدالخیر (غازی پور)، خان بہادر برکت اللہ (غازی پور) شاہ نذیر حسین ایم ایل سی (بہار) مولوی عبدالکافی (کانپور)،

مولوی عبدالصمد (بدایوں)، اظہر علی، ایم ایل اے (لکھنؤ) وغیرہ شامل تھے(155)۔

سالانہ اجلاس کی باقاعدہ کارروائی کا آغاز سید محمد حسین صدر مجلس استقبالیہ کے خیر مقدمی کلمات سے ہوا۔ معزز مہمانوں کو خوش آمدید کہتے ہوئے انہوں نے واضح کیا کہ مسلمانوں نے ہندوؤں کے ساتھ کسی قابل عمل سمجھوتہ تک پہنچنے کے لیے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی مگر وہ اس کا کوئی مثبت جواب دینے سے قاصر رہے(156)۔ اس الزام کو جھٹلاتے ہوئے کہ مسلمان اپنے فرقہ پرستانہ جذبات کی بنا پر ملکی ترقی میں حائل ہیں، سید محمد حسین نے یقین دلایا کہ اگر ہندو ذہنیت بدل جائے اور مسلمانوں کو یہ یقین دہانی کرا دی جائے کہ ان کی روایات، مذہب، تعلیم اور زبان کو ختم نہیں کیا جائے گا اور ان سے ہندوستان کے دیگر فرزندوں کے مانند یکساں سلوک ہو گا، تو مسلمان اپنے حقوق کے تحفظ کا سوال اٹھانا چھوڑ دیں گے(157)۔ سید محمد حسین نے بہلی گول میز کانفرنس کے مسلم شرکاء کے طرز عمل کی تحسین کرتے ہوئے حکومت کو خبردار کیا کہ اگر گول میز کانفرنس میں مسلمانوں کو درپیش مشکلات کا کوئی ازالہ نہ کیا گیا تو وہ اپنے مطالبات کو منوانے کے لیے کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے(158)۔ حاجی سید محمد حسین کے استقبالیہ کلمات کے بعد علامہ اقبال نے اپنا شہرہ آفاق خطبہ صدارت پڑھا۔ یہ خطبہ انگریزی میں تھا اور اس کی چھپی ہوئی کاپیاں بھی حاضرین میں تقسیم کی گئیں۔ کچھ لوگ تو سرے سے اس کا ادراک نہ کر سکے اور جلد ہی اس کو ایک طرف رکھ دیا۔ کچھ نے اس کا بغور مطالعہ کرنے کی کوشش کی مگر تقریب کے اختتام تک پہلے ہی صفحے تک پہنچ پائے۔ بعضوں نے ابتدائی صفحات پڑھ کر کسی ادبی شاہ پارے کا اختتام معلوم کرنے کے انداز میں فوراً" آخری صفحات کھول لئے(159)۔ جلسے کے ایک سامع احمد الدین مارہروی کے بقول اجتماع میں موجود طالب علموں کے علاوہ بمشکل پچیس تیس اشخاص ایسے ہوں گے جنہوں نے علامہ کی صدارتی تقریر کے ساتھ ساتھ خطبے کا بالاستیعاب مطالعہ کیا اور اس میں پنہاں اشاروں اور باریکیوں کو پہنچ پائے (160)۔ عمومی طور پر پوری مجلس پر ایک مبہم سا سکوت اور بے لطف خاموشی چھائی رہی جس کو سنیچ سے بجائے جانے والی تالیوں کی آواز کبھی کبھی توڑتی رہی۔ صاف ظاہر تھا کہ حاضرین کی اکثریت علامہ اقبال کی فکری بلندی اور نکتہ رسی کے ادراک سے قاصر ہے، چنانچہ وہ اہم نکات کی تشریح کے وقت طلبہ کی جماعت کی طرف ہی متوجہ رہے۔

علامہ خطبہ پڑھنے کے دوران اپنے مطالب کی وضاحت قرآنی آیات اور احادیث کے حوالوں اور تشریحی جملوں سے کرتے رہے۔ جب علامہ اپنی تقریر کے دوران اس مقام تک پہنچے جہاں وہ ہندو مسلم اتحاد کے لیے مغل بادشاہ اکبر اور کبیر بھگت کی طرف سے کی جانے والی ناکام کوششوں کا ذکر کر رہے تھے تو سامعین میں سے کسی نے بلا سبب و تحریک نعرہ تکبیر بلند کیا جس سے علامہ کی تیوری پر بل پڑ گئے اور انہوں نے سلسلہ کلام کچھ دیر کے لیے منقطع کر دیا کیونکہ ان کو اندازہ ہو گیا تھا کہ حاضرین کی بڑی تعداد ان کے خیالات سے آگہی نہیں رکھتی(161)۔ جب علامہ اس فقرے پر پہنچے کہ مسلم قوم کی طرف سے برصغیر پاک و ہند میں ایک اسلامی مملکت قائم کرنے کا مطالبہ بالکل حق بجانب ہے تو اس کی وضاحت کے لیے ایک ثانیہ کے لیے رک کر، انہوں نے

تشریحاً" ایک منفرد سیاسی اصطلاح استعمال کی جو سامعین کی اکثریت نے پہلے نہ سنی تھی۔ انہوں نے کہا کہ اس سے میری مراد ہے An Imperium in Imperio (اقتدار اعلیٰ کے اندر کامل اختیار) تو مجمع میں موجود تعلیم یافتہ احباب کے منہ سے بے ساختہ سبحان اللہ نکلا اور جلسہ گاہ صدائے تحسین سے گونج اٹھی۔ علامہ کا چہرہ دمک اٹھا اور گردن کے اشارے سے انہوں نے یہ داد قبول فرمائی(162)۔ اس کے بعد انہوں نے قدرے بلند آواز میں اپنی وہ شہرہ آفاق تجویز پیش کی جس میں مسلم اکثریتی صوبوں کو یکجا کرکے برطانوی سلطنت کے اندر یا باہر ایک طاقتور اسلامی مملکت کے قیام کا اشارہ پنہاں تھا۔ مگر حاضرین میں اس وقت کوئی بھی اس کے مضمرات کو نہ سمجھ سکا اور اس پر علامہ کو اتنی بھی تحسین نہ ملی جتنی انہیں اپنے کسی شعر پر مل سکتی تھی(163)

جب علامہ اقبال اپنے صدارتی خطبے کے اختتام پر پہنچے تو اس وقت ہال کی تمام نشستیں پر ہو چکی تھیں اور کئی افراد دائیں' بائیں یا پیچھے کھڑے تھے۔ ان میں سے اکثریت علامہ اقبال کو ایک عظیم الشان شاعر کی حیثیت سے جانتی تھی اور ان کی بلند پایہ سیاسی بصیرت سے ناآشنا تھی۔ چنانچہ ابھی علامہ خطبہ ختم کرکے بیٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ جلسہ گاہ میں ایک عجیب صورتحال پیدا ہو گئی۔ حاضرین نے یک زبان ہو کر علامہ سے شعر خوانی کا مطالبہ کیا۔ علامہ جو عام حالات میں بھی بطور شاعر اپنا تعارف کروانا پسند نہ کرتے تھے اور عام شعراء کی طرح ہر وقت اپنا کلام سنانے کے شائق نہ تھے' اس غیر متوقع فرمائش کے لیے قطعاً" تیار نہ تھے۔ مگر مجمع کے پرزور اصرار پر انہوں نے بہت مدھم آواز میں بے رغبتی سے خودی سے متعلق اپنے چند اشعار سنائے جس سے حاضرین جلسہ کی تشنگی اور بڑھ گئی اور ہل من مزید کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ اس وقت تک علامہ بھی قدرے سنبھل چکے تھے۔ بہت دردمند لہجے میں حاضرین مجلس کو مخاطب کرکے کہنے لگے کہ اب میں آپ کو ایک حدیث مبارکہ سناؤں گا جس پر اگر آپ لوگ عامل ہو گئے تو تمام قومی مسائل حل ہو جائیں گے۔ اس کے بعد انہوں نے ایک مشہور حدیث سنائی جس کا ترجمہ ہے "جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا' اس نے خدا پہچان لیا" اور اپنی نشست پر تشریف فرما ہو گئے(164)۔ خطبہ صدارت کے خاتمے پر مولوی یعقوب نے انگریزی سے ناآشنا افراد کے لیے خطبے کے مرکزی خیالات کا اردو میں ترجمہ کیا جس کے بعد اجلاس کی پہلی نشست برخاست ہو گئی(165)۔

علامہ اقبال کے عالمانہ خطبہ صدارت اور حاضرین کی کم فہمی پر تبصرہ کرتے ہوئے چودھری خلیق الزمان لکھتے ہیں "ایسے کھلے ہوئے اشارے اور تصریح کے بعد بھی مسلم لیگ کے اس اجلاس میں موجود کسی ایک فرد واحد نے بھی اس کا کوئی نوٹس نہ لیا اور نہ کسی نے اپنی تقریر میں اس کی تائید میں کوئی تجویز پیش کی' اور ہوتی بھی کیسے' کیونکہ مسلم لیگ محض زمینداروں' تعلقہ داروں اور خطاب یافتوں کا ایک سود مند گہوارہ تھا۔ شاید وہ جلسہ بھی اس قابل نہ تھا کہ اس میں وہ جواہر پارے بکھیرے جاتے"(166)۔ علامہ بھی اپنے حیات آفرین پیغام کی عظمت اور حاضرین کی بے حسی اور مسلم زعماء کی محدود نظری سے بخوبی آگاہ تھے۔ مگر ان کی مستقبل بین نگاہوں نے بھانپ لیا تھا کہ آج جو محض ایک شاعر کا تخیل ہے' کل وہ پوری ملت کے دل کی آواز بن جائے گا۔ چنانچہ جب

اجلاس کے اختتام پر مفتی فخرالاسلام اور ان کے رفقاء نے علیحدگی میں آہستہ سے علامہ سے عرض کیا کہ آپ ان "ٹوڈیوں" میں کہاں آ پھنسے؟ تو انہوں نے پر یقین لہجے میں جواب دیا کہ "تم لوگ گھبراؤ مت۔ یہ لوگ باقی رہنے والے نہیں' قوم باقی رہے گی"(167)۔

مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کی دوسری نشست 30 دسمبر 1930ء کی صبح کو علامہ اقبال کی صدارت میں شروع ہوئی جو تین گھنٹے تک جاری رہنے کے بعد سات قراردادیں منظور کرکے اختتام پذیر ہوئی(168)۔ اس زمانے کی سیاسی روایات کے مطابق جلسوں کے اختتام پر منظور کی گئی قرار دادوں کی خاص اہمیت ہوتی تھی اور انہی کے ذریعے حکومت ہند اور دیگر ہم وطنوں کے سامنے اپنے مطالبات پیش کیے جاتے تھے۔ خاص طور پر مسلم لیگ کی سیاست تو زیادہ تر قرار دادوں اور بیانات ہی کے گرد گھومتی تھی کیونکہ قرار داد پاکستان (1940ء) کے منظور ہونے سے قبل اس میں عوامی رنگ مفقود تھا اور خواص مودب التجاؤں ہی پر گزارہ کرتے تھے۔

1930ء کے سالانہ اجلاس کے لیے سب سے پہلے چار قرار دادوں کے مسودے فتح پور کے مسلم لیگی رہنما امیر حسن خان نے سیکرٹری مسلم لیگ کو ارسال کیے(169)۔ پہلی قرار داد میں برطانوی وزیراعظم ریمزے میکڈانلڈ کے ہندو نواز رویے کی مذمت کرتے ہوئے اسے متنبہ کیا گیا تھا کہ مستقبل میں مسلمانان ہند کی ہمدردیاں کھو دینے کی ذمہ داری اسی پر عائد ہو گی(170)۔ دوسری قرار داد کے ذریعے پہلی گول میز کانفرنس میں شریک مسلم نمائندوں کے اس طرز عمل کو سراہا گیا تھا جس کے ذریعے وہ آل انڈیا مسلم کانفرنس کی یکم جنوری 1929ء کو منظور شدہ قرار داد پر مبنی مسلم مطالبات کی منظوری کے لیے کوشاں تھے۔ قرار داد میں انہیں اسلام کے کھلے دشمنوں کی سازشوں سے چوکس رہنے کی تلقین کرتے ہوئے ان سے یہ التجا بھی کی گئی تھی کہ برطانوی رائے عامہ پر مسلم مطالبات کی اہمیت کو ہندو اکثریت کی بڑھوتری کے تناظر میں واضح کریں(171)۔ تیسری قرار داد میں ریاست جے پور کے حکام کے اس فیصلے پر غم و غصے کا اظہار کیا گیا تھا جس کی رو سے مسلمانوں کو کلمہ پڑھنے اور اذان دینے سے روک دیا گیا تھا(172)۔ چوتھی قرار داد میں حکومت فرانس کی بربروں کی جبری تبدیلی مذہب کی پالیسی اور اطالوی حکومت کی طرف سے مسلمانان طرابلس کو منتشر کرنے کی مہم پر اظہار تشویش کیا گیا تھا(173)۔

ان قرار دادوں کے علاوہ پانچ مزید قرار دادوں کے مسودے مسلم لیگ ریکارڈز میں ملتے ہیں۔ پہلی قرار داد میں مسلم لیگ کے اس دیرینہ مطالبہ کا اعادہ کیا گیا تھا کہ سندھ کو بمبئی سے جلد از جلد علیحدہ کرکے ایک الگ صوبے کی حیثیت دی جائے۔ اسے پشاور سے کے۔ ایم اسلم نے تجویز کیا اور چودھری مجید نے اس کی تائید کی(174)۔ دوسری قرار داد جسے مظفر حسین چودھری نے پیش کیا اور جس کی تائید ڈاکٹر اے خان نے کی' میں مطالبہ کیا گیا تھا کہ بلوچستان اور صوبہ سرحد میں آئینی اصلاحات متعارف کرائی جائیں(175)۔ ممتاز لیگی رہنما عبداللہ الکافی کی طرف سے اس قرار داد میں یہ ترمیم پیش کی گئی تھی کہ بلوچستان اور صوبہ سرحد کے علاوہ ایسے تمام نئے صوبے بھی جو دوسرے صوبوں سے علیحدگی کے ذریعے تشکیل پائیں (مثلاً سندھ) ان میں بھی وہی نظام حکومت ہونا چاہیے

جو ہندوستان کے دوسرے صوبوں میں رائج ہے(176)- تیسری قرار داد جسے ڈاکٹر اے خان نے تجویز کیا اور جس کی تائید ابو طاہر محمد احمد نے کی' میں مطالبہ کیا گیا تھا کہ آئندہ تمام مردم شماریوں میں نچلی ذاتوں اور اچھوتوں کی علیحدہ درجہ بندی کی جائے اور انہیں "ہندوؤں" کے عمومی زمرے میں ظاہر نہ کیا جائے(177)- چوتھی قرار داد جسے اے۔ آر بخاری نے تجویز کیا اور جسے ٹی۔ اے۔ کے شیروانی اور ایم طفیل احمد کی تائید حاصل تھی' قانونی و آئینی معاملات سے متعلق تھی۔ اس میں منجملہ دیگر امور کے یہ مطالبہ بھی کیا گیا تھا کہ ہندوستانی عدالتوں کے تسلیم شدہ اسلامی قوانین میں مرکزی یا صوبائی کونسلوں کی کسی قانون سازی کے ذریعے کوئی ترمیم یا مداخلت نہ کی جائے جب تک اسے متعلقہ مجلس کے مسلم اراکین کی اکثریت کی حمایت حاصل نہ ہو(178)- پانچویں قرار داد جس کے محرک و تائید کنندہ کا نام درج نہیں 2 دسمبر 1930ء کی تحریر شدہ ہے جس میں ممتاز ہندو رہنما لوکمانیہ تلک کی وفات پر اظہار تاسف کیا گیا تھا اور اس کی سیاسی خدمات کی تحسین کرتے ہوئے اس کے غم زدہ خاندان کے ساتھ اظہار ہمدردی کیا گیا تھا(179)

ان تمام قرار دادوں پر 29 دسمبر کی سہ پہر کو ہونے والی سبجیکٹ کمیٹی کے اجلاس میں غور کیا گیا جس میں پچیس اراکین نے شرکت کی(180)- اس اجلاس میں صلاح و مشورہ کے بعد کل سات قرار دادوں کی منظوری دی گئی جنہیں 30 دسمبر کو مسلم لیگ کے کھلے اجلاس کی دوسری نشست میں بحث کے لیے پیش کیا گیا جس کی صدارت علامہ اقبال نے کی۔ پہلی قرار داد' جو صدر مجلس کی طرف سے پیش ہوئی اور جسے متفقہ طور پر منظور کیا گیا' میں مسلم لیگ کے پرانے اور ممتاز اراکین مولوی الحق' صاحبزادہ آفتاب احمد خان' مرزا علی محمد خان' سر ابراہیم ہارون جعفر اور سید جالب کی وفات پر لیگ کی جانب سے اظہار تاسف اور غم زدہ خاندانوں سے اظہار ہمدردی کیا گیا تھا(181)- دوسری قرار داد جسے گیا کے حسن امام نے پیش کیا اور الہ آباد کے ڈاکٹر ایم۔ یو ایس جنگ نے جس کی تائید کی' میں کہا گیا تھا کہ حکومت ہند کا مراسلہ برائے آئینی اصلاحات میں موجودہ سفارشات ہندوستانی خواہشات کو بالعموم اور مسلم مطالبات کو بالخصوص پورا نہیں کر سکیں گی(182)- تیسری قرار داد نے' جسے لاہور کے مشہور صحافی سید حبیب شاہ نے پیش کیا تھا' ایک طویل اور تلخ بحث کو جنم دیا۔ اس قرار داد میں پہلی گول میز کانفرنس کے مسلم شرکاء کی ان متفقہ کوششوں کی تحسین کرتے ہوئے جو مسلم نقطہ نظر کے پرخلوص اظہار پر مبنی تھیں' یہ امید ظاہر کی گئی تھی کہ وہ آل انڈیا مسلم کانفرنس کی قرار داد دہلی (1929ء) کی منظوری کے لیے متحد ہو کر جدوجہد کریں گے (183)

سید حبیب شاہ نے قرار داد پیش کرتے ہوئے کہا کہ یہ مقام تشکر ہے کہ گول میز کانفرنس کے مسلم شرکاء مسلمانوں کی طرف سے نہ چنے جانے کے باوجود' مسلم مطالبات کی حمایت کر رہے ہیں اور اس بات پر زور دیا کہ آئندہ آئین کے متعلق گول میز کانفرنس کا جو بھی فیصلہ ہو' اس کو قبول یا مسترد کرنے کا سوال ایک ایسا معاملہ ہے جو مسلمانان ہند سے متعلق ہے اور وہ کسی ایسے فیصلے کو ماننے کے لیے تیار نہ ہوں گے جو ان کے حقوق کی حفاظت نہ کرتا ہو(184)- اس کی مخالفت کرتے

ہوئے الہ آباد کے ڈاکٹر ایم یو ایس جنگ نے آل انڈیا مسلم کانفرنس کے موقف کو محدود نقطہ نگاہ کا حامل قرار دیا اور قائد اعظم کے پیش کردہ چودہ نکات کی حمایت کرتے ہوئے اس بات پر زور دیا کہ گول میز کانفرنس کے مسلم شرکاء کے اختیارات پر کوئی قدغن نہ لگائی جائے اور انہیں ایک اطمینان بخش تصفیہ پر پہنچنے کے لیے صوابدیدی اختیارات دیے جائیں۔ ان کا یہ بھی خیال تھا کہ یہ بات مسلم لیگ جیسی قدیم جماعت کی توقیر کے منافی ہے کہ وہ مسلم کانفرنس جیسی نوزائیدہ تنظیم کی منظور شدہ قرار داد کو اختیار کر لے۔(185)-

بعد میں آنے والے مقررین کی اکثریت نے ڈاکٹر ایم یو ایس جنگ کے خیالات کو مسترد کر دیا۔ سر عبداللہ ہارون نے اصل قرار داد کی حمایت کرتے ہوئے کہا کہ وہ گول میز کانفرنس کے مسلم شرکاء کو کوئی اختیار دینے کے قائل نہیں ہیں کیونکہ انہیں ہندی مسلمانوں کی طرف سے منتخب کر کے لندن نہیں بھیجا گیا۔ متفقہ مسلم مطالبات ان کے سامنے ہیں' اور اگر ان کی روشنی میں وہ کوئی مذاکرات کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں' مگر کسی حتمی تصفیے کی شرائط کو تسلیم کرنے کا اختیار صرف ہندوستان کے مسلمانوں کے پاس ہے(186)- حفیظ الرحمٰن نے مسلم کانفرنس کی نمائندہ حیثیت پر ڈاکٹر جنگ کے خیالات پر شدید نکتہ چینی کی جس سے اجلاس میں ناخوشگوار صورت حال پیدا ہو گئی۔ معاملے کو سنبھالتے ہوئے مولوی یعقوب نے کہا کہ تصفیہ طلب مسئلہ یہ نہیں کہ مسلم کانفرنس کی دہلی قرار داد یا مسٹر جناح کے 14 نکات مسلمانوں کے نقطہ نظر کی ترجمانی کرتے ہیں یا نہیں بلکہ غور طلب بات یہ ہے کہ آیا مسلم لیگ کسی سمجھوتے تک پہنچنے کے لیے گول میز کانفرنس کے مسلم مندوبین کو کوئی اختیار دے سکتی ہے(187)- مولوی یعقوب نے اس بات کی تائید نہیں کی کہ مسلم مندوبین کو مسلمانوں کا نمائندہ نہیں گردانا چاہیے کیونکہ ان کے خیالات میں ایسا کوئی اعلان نہ صرف مسلم رہنماؤں کی توقیر میں کمی کا باعث بنے گا بلکہ جب وہ مسلم مطالبات پر زور دیں گے تو ان کے مخالفین' اور خود حکومت کو یہ کہنے کا موقع ملے گا کہ ان کے خیالات ہندوستان کے مسلمانوں کے خیالات کے ترجمان نہیں(188)- اس موقع پر سید حسین نے رائے زنی کرتے ہوئے کہا کہ حکومت میں اتنی جرات نہیں کہ وہ مسلم شرکاء کو کہیں کہ وہ مسلمانوں کے نمائندے نہیں کیونکہ ان کا انتخاب وائسرائے نے خود کیا تھا' اور اگر حکومت یہ خیال کرتی ہے کہ وہ نمائندہ حیثیت نہیں رکھتے تو پھر مسلمانوں کے حقیقی نمائندے کیوں کانفرنس میں مدعو نہیں کیے گئے؟ ان کا خیال تھا کہ مسلمانوں کو مسلم شرکاء کے سامنے بار بار اپنے مطالبات دہرانے چاہئیں اور ان کو خبردار کر دینا چاہیے کہ اس سے کم تر کوئی شے بھی ان کو قابل قبول نہ ہو گی۔ بعد میں قرار داد پر رائے شماری ہوئی جس کے نتیجے میں ڈاکٹر جنگ کی پیش کردہ ترمیم مسترد کر دی گئی اور سید حبیب شاہ کی قرار داد اصل حالت میں منظور کر لی گئی(189)

اجلاس میں منظور شدہ چوتھی قرار داد کو مولوی یعقوب نے پیش کیا اور اسے مولانا عبدالماجد کی تائید حاصل تھی۔ اس قرار داد میں کہا گیا تھا کہ آل انڈیا مسلم لیگ شمال مغربی سرحدی صوبے کے مخصوص حالات کا مکمل ادراک رکھتے ہوئے اور اس کے دفاع کے لیے خصوصی

اقدامات کی ضرورت کو تسلیم کرتے ہوئے اس خیال کی پرزور حامی ہے کہ صوبے میں جاری مسلسل سیاسی بے چینی اس وقت تک دور نہیں کی جا سکی اور نہ مقامی رائے عامہ ایسے انتظامی منصوبے سے مطمئن ہو سکتی ہے جو ملک کے دوسرے صوبوں کے مقابلے میں صوبہ سرحد کو کم تر حیثیت دیتا ہو۔ محرک نے اس بات پر افسوس کا اظہار کیا کہ سائمن کمیشن اور مرکزی سائمن کمیٹی کی رپورٹ کی طرح حکومت ہند کے مراسلے نے بھی شمال مغربی سرحدی صوبے کے مسئلے کا کوئی اطمینان بخش حل تجویز نہیں کیا اور نہ ہی حکومت نے اس موضوع پر قانون ساز اسمبلی کی متعدد بار منظور کی جانے والی قرار دادوں پر کوئی عملی قدم اٹھایا ہے(190)

اجلاس میں منظور شدہ پانچویں قرارداد کو مولانا عبدالماجد نے پیش کیا اور مولوی عبدالقادر نے اس کی تائید کی(191)- اس قرار داد میں کہا گیا تھا کہ مسلم لیگ کی رائے میں ہندوستان کے مسلمان ایسے کسی آئین کے نفاذ سے مطمئن نہیں ہوں گے جس میں پنجاب اور بنگال کی مجالس قانون ساز میں مسلم نمائندگی آبادی کی بنیاد پر نہ ہو' سندھ کو فوراً" اور بلا شرط علیحدہ صوبے کی حیثیت نہ دی جائے اور صوبہ سرحد اور برطانوی بلوچستان کو مکمل اختیارات عطا نہ کیے جائیں۔ نیز یہ کہ مسلمان ہندوستان کے لیے صرف اس وفاقی آئین کو اختیار کریں گے جس میں مذکورہ بالا اکائیوں سے صوبائی خودمختاری کے معاملے میں وفاق کے دوسرے اجزا کے برابر سلوک کیا جائے گا۔ قرار داد کے محرک کا خیال تھا کہ برطانوی حکومت اور اکثریتی فرقہ کی کوشش ہے کہ مسلمان کسی بھی صوبے میں برسر اقتدار نہ ہوں(192)- چھٹی قرار داد کو حسین امام نے پیش کیا اور اس کی تائید ایم عظیم اور سید حبیب شاہ نے کی(193)- اس قرار داد میں کہا گیا تھا کہ مسلم لیگ اس امر کو ضروری اور لازم خیال کرتی ہے کہ سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کی معقول نمائندگی کے لیے آئینی تحفظات فراہم کیے جائیں(194)- آخری اور ساتویں قرار داد کے ذریعے جس کو ڈاکٹر علی نے پیش کیا' ممتاز لیگی رہنماؤں نواب محمد اسمٰعیل خان' قاضی مسعود حسین اور مولوی محمد یعقوب پر مشتمل ایک کمیٹی بنائی گئی جس کو مسلم لیگ کے آئین کی از سرنو نظر ثانی اور ترامیم تجویز کرنے کا کام سونپا گیا(195)-

علامہ اقبال دوسرے اجلاس کی ایک گھنٹے تک صدارت کرنے کے بعد اس وقت جلسہ گاہ سے چلے گئے جب تیسری قرار داد پر بحث و تمحیص کے دوران شرکاء میں تلخی پیدا ہو گئی۔ ان کے چلے جانے کے بعد نواب محمد اسمٰعیل خان نے کرسی صدارت سنبھالی(196)دوسرے اجلاس کے شرکاء کی تعداد پہلے دن کے مقابلے میں خاصی کم تھی اور یہ ظاہر تھا کہ اجلاس میں موجود مسلم لیگ کے ممبران کی تعداد مقررہ کورم کے مطابق نہیں۔ مگر جب ڈاکٹر جنگ نے پوائنٹ آف آرڈر کے ذریعے اس کی نشاندہی کی تو نواب اسمٰعیل نے یہ اعتراض مسترد کرتے ہوئے کہا کہ کورم کی کمی کا مسئلہ پہلے دن اٹھانا چاہیے تھا' اور چونکہ موجودہ اجتماع ایک ملتوی شدہ نشست ہے' اس لیے کسی کورم کی ضرورت نہیں ہے(197)- اجلاس کے اختتام پر مولوی محمد یعقوب اور بیرسٹر ظہور احمد نے مسلم لیگ کی جانب سے صدر اجلاس اور منتظمین جلسہ کا شکریہ ادا کیا۔ مولوی یعقوب نے اپنی تقریر کے دوران اعتراف کیا کہ موجودہ اجلاس لیگ اپنے پچھلے اجلاسوں کے مقابلے میں اتنا نمائندہ نہیں

ہے، مگر ان کے خیال میں اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ بہت سے مسلم رہنما ہندوستان سے باہر تھے۔ چنانچہ اس موقع پر منعقد کی جانے والی کسی بھی کانفرنس کے ساتھ یہی معاملہ ہوتا۔ انہوں نے اس بات کی طرف بھی توجہ دلوائی کہ ہندو رہنماؤں کی عدم موجودگی کے باعث ساٹھ سال میں پہلی دفعہ انڈین نیشنل کانگریس امسال اپنا سالانہ اجلاس منعقد نہیں کر سکی(198)

علامہ اقبال نے الہ آباد میں کل دو دن قیام کیا۔ عبدالحی عباسی راوی ہیں کہ 29 دسمبر 1930ء کی سہ پہر کو وہ بیرسٹر ظہور احمد کے ساتھ علاقے میں پیدل گھومتے رہے اور بہت سے لوگوں اور دکانداروں نے ان سے علیک سلیک کی۔ دوسرے دن جسٹس سر شاہ محمد سلیمان نے ان کی دعوت کرنی چاہی مگر وہ لاہور واپس جانے کی بنا پر اس میں شریک نہ ہو سکے، البتہ انہوں نے اکبر الہ آبادی کی قبر پر جا کر دعائے مغفرت کرنے کی خواہش ظاہر کی، چنانچہ مفتی فخر الاسلام انہیں پرانا کالا ڈنڈا کے قبرستان لے گئے جہاں اکبر مدفون تھے۔ علامہ نے وہاں فاتحہ پڑھی اور قبر کی خستہ حالی پر اظہار افسوس کرتے ہوئے کہا کہ "اتنے بڑے آدمی کی قبر اور اس کی یہ حالت"(199)

الہ آباد میں فقید المثال استقبال اور بے پناہ عوامی محبت کے مظاہروں کے باوجود علامہ اقبال کی فروتنی اور انکسار میں کوئی فرق نہ آیا۔ ریاض الہ آبادی جو وہاں ایک مدرسہ میں فارسی اور اردو کے مدرس تھے، علامہ اقبال سے عین لاہور واپس جانے کے وقت ریلوے سٹیشن پر ہونے والی ملاقات کا تذکرہ کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ انہوں نے علامہ سے ان کے ایک شعر کا مطلب دریافت کیا۔ علامہ نے ٹالنے یا عدم فرصت کا بہانہ کرنے کے بجائے انتہائی اخلاق سے ان کا ہاتھ تھاما اور انہیں ریلوے سٹیشن پر واقع انتظار گاہ میں لے گئے اور وہاں بیٹھ کر انہیں اس شعر کا مفصل مفہوم سمجھانے لگا۔ کچھ دیر بعد ٹرین آگئی اور وہ لاہور کے لیے رخصت ہو گئے(200)

All rights reserved ©2002-2006

حواشی

1- آرکائیوز آف فریڈم موومنٹ (اے ایم ایف) جلد نمبر 154 ص 63- خوش قسمتی سے آل انڈیا مسلم لیگ برصغیر پاک و ہند کی وہ واحد سیاسی جماعت ہے جس کی دستاویزات، مطبوعات اور دفتری مسلیں سب سے زیادہ مکمل اور احسن طریق سے محفوظ ہیں۔ اس عظیم الشان ذخیرے میں مسلم لیگ کے سالانہ اجتماعات، سنٹرل اور ورکنگ کمیٹیوں اور مسلم لیگ کونسل کے اجلاسوں کی رودادیں، صدارتی خطبات، سالانہ جائزے، مختلف موقعوں پر جاری ہونے والے قواعد و ضوابط، دساتیر اور منشور، مرکزی دفتر اور ہندوستان کے مختلف حصوں میں قائم شدہ لیگ کی شاخوں کے مابین ہونے والی خط و کتابت وغیرہ کو علیحدہ علیحدہ موضوعات کے تحت پانچ سو سے زیادہ جلدوں میں محفوظ کر لیا گیا ہے۔ مزید برآں تین ہزار کے قریب طبع شدہ مواد کی بھی درجہ بند کی گئی ہے۔ یہ بیش بہا ذخیرہ آرکائیوز آف فریڈیم موومنٹ کے نام سے قائم شدہ جامعہ کراچی کے ایک خصوصی شعبہ میں محفوظ ہے اور اس کی نقول ملک کے نمایاں تحقیقی و علمی اداروں میں بھی موجود ہیں۔ اس مقالے میں قومی ادارہ برائے تحفظ دستاویزات، اسلام آباد میں موجودہ نقول سے استفادہ کیا گیا ہے۔

2- ایضاً" ص 43

3- ایضاً" ص 64-63

4- ایضاً" ص 61

5- ایضاً" ص 64

6- ایضاً" ص 65- سید شمس الحسن کے والد ڈاکٹر امیر حسن بریلی میں مقیم تھے جہاں وہ 1892ء میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے آگرہ سے میٹرک کیا اور بعد میں لاہور میں کمرشل انسٹی ٹیوٹ سے ٹائپنگ اور شارٹ ہینڈ میں مہارت حاصل کی۔ 1914ء میں وہ سروزیر حسن، معتمد مسلم لیگ کے ذاتی معاون کی حیثیت سے آل انڈیا مسلم لیگ کے دفتری عملہ میں شامل ہوئے۔ کچھ ہی عرصے کے بعد انہیں مرکزی دفتر میں آفس سیکرٹری مقرر کر دیا گیا اور تقسیم ہند تک وہ اسی عہدے پر فائز رہے۔ بعد میں وہ پاکستان مسلم لیگ کے مرکزی دفتر میں بھی کام کرتے رہے۔ تقسیم ہند کے موقع پر قائد اعظم نے اپنے ذاتی کاغذات شمس الحسن کے حوالے کر دیے جنہیں انہوں نے حالات کی دست برد سے محفوظ رکھا اور آج انہیں ذخیرہ شمس الحسن کے نام سے جانا جاتا ہے جس میں دس ہزار سے زائد دستاویزات شامل ہیں۔ مزید تفصیلات کے لیے دیکھئے خالد شمس الحسن، قائد اعظم کا ادھورا نواب، کراچی، 1991ء اور سید شمس الحسن ـــــ پلین مسٹر جناح، کراچی،

1976ء

7- ڈاکٹر سیف الدین کچلو کی معیاد عہدہ ختم ہو جانے کے بعد کئی ماہ تک مسلم لیگ کا اعزازی معتمد منتخب کیا نہ جا سکا۔ فروری 1930ء میں قائد اعظم محمد علی جناح' جو اس وقت آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر تھے' نے مراد آباد سے مجلس قانون ساز کے رکن مولوی محمد یعقوب کو آئندہ انتخابات تک مسلم لیگ کے اعزازی معتمد کے فرائض انجام دینے پر مجبور کیا۔ بعد میں مسلم لیگ کونسل نے اپنے ایک اجلاس میں جو دہلی میں 10 فروری 1930ء کو منعقد ہوا' مولوی صاحب کی نامزدگی کی توثیق کر دی (بحوالہ اے ایم ایف' جلد 154' ص 62-63)۔

سر محمد یعقوب 27 اگست 1879ء کو مراد آباد میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد محمد اسمٰعیل پیشہ وکالت سے وابستہ تھے اور مذہبی و علمی تحاریک خصوصاً" ندوۃ العلماء سے گہری وابستگی رکھتے تھے۔ مولوی یعقوب علی گڑھ کالج سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد مراد آباد ہی میں آبائی پیشہ سے منسلک ہو گئے اور ملکی اور شہری سیاست میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے لگے۔ 1908ء میں وہ آل انڈیا مسلم لیگ کے رکن بنے۔ بعد میں وہ میونسپل بورڈ مراد آباد کے غیر سرکاری صدر نشین منتخب ہوئے۔ 1913ء میں ان کی ملی خدمات کی بنا پر انہیں ایم اے او کالج علی گڑھ کا ٹرسٹی مقرر کیا گیا۔ 1920ء میں وہ صوبائی قانون ساز اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے اور بعد میں قانون ساز اسمبلی میں قائد اعظم کی قائم کردہ آزاد پارٹی کے لیڈر چنے گئے۔ 1926ء میں یو پی مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس اور 1927ء میں کلکتہ میں منعقدہ آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کی صدارت کے فرائض انجام دیے۔ 1929ء میں وہ آل انڈیا فلسطین کانفرنس بمبئی کے رکن منتخب ہوئے۔ 1930 سے 1935ء تک وہ آل انڈیا مسلم لیگ کے اعزازی معتمد کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے رہے۔ 1938ء میں وہ کونسل آف سٹیٹ کے رکن مقرر ہوئے اور اپنے انتقال تک اسی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ انہوں نے 23 نومبر 1942ء کو وفات پائی۔ بحوالہ عبدالرؤف عروج' رجال اقبال' کراچی' 1988ء ص 34-432

8- اے ایم ایف' جلد 153' ص 6

9- دیکھئے ممتاز مسلم لیگی رہنما ابراہیم ہارون جعفر کا خط مورخہ 3 اپریل 1930ء بنام سیکرٹری مسلم لیگ بحوالہ' ایضاً" ص 2۔ اس دعوت کو مسلم لیگ کونسل کے اگلے اجلاس میں پیش کیا گیا مگر نامعلوم وجوہات کی بنا پر اسے قبول نہ کیا گیا۔

10- ایضاً" ص 6

11- ایضاً"

12- ایضاً" چاہیے ص 6

13- ایضاً" ص 16

14- ایضاً ص 11
15- ایضاً
16- ایضاً
17- ایضاً
18- ایضاً ص 10
19- روزنامہ انقلاب (لاہور) 23 جولائی 1930ء- روزنامہ انقلاب کے مدیران' مولانا غلام رسول مہر اور عبدالمجید سالک کو علامہ اقبال سے خاص تقرب حاصل تھا۔ وہ ان کے پاس اکثر حاضری دیا کرتے تھے اور علامہ بھی اہم قومی معاملات کے بارے میں ان سے مشورہ کیا کرتے تھے۔ اس قربت کی بنا پر علامہ کے بارے میں چھوٹی سے چھوٹی اطلاع بھی انقلاب میں خاص اہتمام سے شائع کی جاتی۔ اسی وجہ سے یہ روزنامہ' اقبالیات کے اہم اور بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتا ہے۔
20- انقلاب 26 جولائی' 1930ء
21- بحوالہ انقلاب' 31 جولائی 1930ء- اس مراسلے کی اصل کاپی محررہ 29 جولائی 1930ء کے لیے دیکھئے' اے ایم ایف جلد 153' ص 16
22- ایضاً
23- اے ایم ایف' جلد 153' ص 12
24- ایضاً ص 13
25- ایضاً ص 17
26- ایضاً ص 23
27- ایضاً ص 18
28- ایضاً ص 20
29- ایضاً ص 31
30- ایضاً ص 29
31- دیکھئے ایضاً' ص 19' 22' 25' 33' 37 اور 38
32- ایضاً ص 41
33- ایضاً ص 43
34- انقلاب 5 اگست 1930ء
35- اے ایم ایف' چاہیے جلد 153' ص 44-46

یہ اعلامیہ مندرجہ ذیل اخبارات کو جاری کیا گیا۔ شیشمین' مسلمان' جمہور (کلکتہ)' پائنیر' لیڈر' سٹار (الہ آباد)' آئی ڈی ٹی' ہمت' حقیقت (لکھنؤ)' علی گڑھ میل (علی گڑھ)' ہندوستان ٹائمز' ملت' الامان' ایجنسیت' جنرل نیوز (دہلی) مسلم آؤٹ لک'

ٹریبون' سول اینڈ ملٹری گزٹ' انقلاب' زمیندار' سیاست (لاہور)' بمبئی کرانیکل اور خلافت (بمبئی)- اس کے علاوہ اس اعلامیہ کی کاپیاں علامہ اقبال اور قائد اعظم کی خدمت میں بھی روانہ کی گئیں۔

36- ایضاً"

37- ایضاً"

38- ایضاً" ص 53

39- انقلاب 8 اور 10 اگست' 1930ء

40- اے ایم ایف' جلد 153 ص 23

41- ایضاً"

42- ایضاً"

43- سید مظفر حسین برنی' کلیات مکاتیب اقبال' جلد سوم' دہلی 1993ء' ص 8 147

44- ایضاً"

45- اے ایم ایف' جلد 153 ص 27

46- ایضاً"

47- ایضاً" ص 43

48- ایضاً" ص 53

49- ایضاً"

50- ایضاً" ص 51- نواب محمد یوسف جون پور کے ایک ممتاز صاحب ثروت تھے جو ملی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ وہ صوبائی اسمبلی کے ممبر اور بعد میں حکومت میں وزیر بھی رہے۔ ان کی رہائش گاہ الہ آباد کا دورہ کرنے والے ممتاز مسلم رہنماؤں کے قیام کے استعمال ہوتی تھی۔ علامہ اقبال نے اپنے سفر الہ آباد 1930ء میں ان کی کوٹھی میں قیام کیا تھا اور انہی کے ہمراہ جلسہ گاہ میں پہنچے تھے۔

51- ایضاً"

52- ایضاً" ص 52

53- ایضاً"

54- ایضاً"۔ یہاں علامہ اقبال کا ذکر بے محل معلوم ہوتا ہے کیونکہ اپنے تمام تر خدشات کے باوجود انہوں نے لکھنؤ اجلاس میں شرکت سے انکار نہیں کیا تھا اور وہ اس کی صدارت کرنے کے لیے تیار بھی تھے۔

55- ایضاً" ص 58-59

56- ایضاً"

57- سر فیروز خان نون کے نام قائد اعظم کے ایک خط محررہ 11 اگست 1930ء سے معلوم

ہوتا ہے کہ انہیں ہر صوبہ سے درخواستیں موصول ہوئی تھیں کہ لکھنؤ اجلاس سردست ملتوی کر دیا جائے۔ دیکھئے ایضاً" ص 65-

58- 3 اگست 1930ء کو قائد اعظم نے الہ آباد کے ممتاز مسلم رہنما ڈاکٹر شفاعت احمد خان کو ایک خط تحریر کیا جس میں کہا گیا تھا کہ انہیں اس بات پر مسرت ہے کہ ڈاکٹر شفاعت ان حالات کی اہمیت کا ادراک رکھتے ہیں جن کے تحت مسلم لیگ کا لکھنؤ اجلاس منعقد ہو رہا ہے اور بتایا کہ وہ لکھنؤ ایک دن پہلے جا رہے ہیں جہاں وہ ڈاکٹر شفاعت سے ملاقات کی امید رکھتے ہیں۔ یہ خط غیر مطبوعہ حالت میں قومی عجائب گھر کراچی کے شعبہ تحریک پاکستان میں محفوظ ہے اور وہیں سے نقل کیا گیا ہے۔

59- اے ایم ایف' جلد 153' ص 60-61

60- ایضاً"

61- انقلاب' 7 اگست 1930ء

62- ایضاً"

63- اے ایم ایف' جلد 153' ص 62

64- برنی' ایضاً" ص 148

65- ایضاً"

66- اے ایم ایف' جلد 153' ص 67

67- انقلاب' 12 اگست' 1930ء

68- اے ایم ایف' جلد 153' ص 63- ملک فیروز خان نون 7 مئی 1893ء کو لاہور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم ایچی سن کالج لاہور میں پائی۔ پھر اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے آکسفورڈ چلے گئے۔ وطن واپسی پر 1917ء میں پنجاب اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے اور 1926ء تک اس حیثیت سے قومی خدمات انجام دیتے رہے۔ جب پنجاب میں زمیندار پارٹی برسر اقتدار آئی تو وہ پہلے وزیر لوکل سیلف گورنمنٹ (1927ء-1931ء) اور بعد میں وزیر تعلیم (30-1931ء) مقرر ہوئے۔ 1936ء سے 1941ء تک ملک فیروز خان برطانیہ میں ہندوستان کے ہائی کمشنر رہے۔ وطن واپسی پر وہ گورنر جنرل کی مجلس عاملہ کے ممبر (41-1942ء) اور پھر ممبر دفاع (42-1945ء) رہے۔ انہوں نے تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ قیام پاکستان کے بعد وہ 1947ء سے 1950ء تک دستور ساز اسمبلی کے رکن رہے۔ 1950ء سے 1953ء تک انہیں مشرقی پاکستان کے گورنر کی حیثیت سے خدمات انجام دینے کا موقع ملا۔ 1953ء سے 1955ء تک وہ پنجاب کے وزیر اعلیٰ رہے۔ 1955ء میں انہیں وزیر خارجہ مقرر کیا گیا۔ اس دور میں ان کا ایک اہم کارنامہ عمان سے گوادر کی بندرگاہ کا حاصل کرنا تھا۔ دسمبر 1957ء سے اکتوبر 1958ء تک انہوں نے ملک کے وزیر اعظم کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ 1958ء میں صدر ایوب کی طرف سے

مارشل لاء کے نفاذ کے بعد انہوں نے سیاسی سرگرمیاں ترک کر دیں اور گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ انہوں نے 9 دسمبر 1970ء کو انتقال کیا۔

69- ایضاً" ص 64
70- ایضاً" ص 65
71- ایضاً" ص 68-69
72- ایضاً" جلد 154' ص 2-1
73- ایضاً"
74- ایضاً" ص 3
75- ایضاً" جلد 153' ص 65-66
76- ایضاً"
77- ایضاً"
78- ایضاً"
79- ایضاً" جلد 154' ص 5-6
80- ایضاً" ص 7
81- ایضاً" ص 4
82- ایضاً" ص 10-11
83- انقلاب' 14 اگست 1930ء
84- ایضاً"
85- اے ایم ایف' جلد 154' ص 10-11
86- ایضاً" ص 9
87- برنی' ایضاً" ص 156
88- انقلاب 15 اگست 1930ء
89- برنی' ایضاً" ص 158
90- اے ایم ایف' جلد 154' ص 14
91- ایضاً"
92- ایضاً" ص 16
93- ایضاً" ص 15- برنی کی مرتبہ کلیات (جلد سوم' ص 165) میں یہ خط بلا تاریخ دیا ہوا ہے۔
94- ایضاً"
95- ایضاً" ص 16- برنی کی مرتبہ کلیات (جلد سوم' ص 165) میں اس خط کو انگریزی سے ترجمہ شدہ ظاہر کیا گیا ہے مگر مسلم لیگ ریکارڈز میں اصل خط اردو میں موجود ہے۔

96- ایضاً"
97- ایضاً" ص 21- برنی کی مرتبہ کلیات (جلد سوم' ص 172) میں یہ خط بلا تاریخ ترتیب دیا گیا ہے جبکہ مسلم لیگ ریکارڈز میں موجود عکسی نقول میں 24 اکتوبر کی تاریخ صاف پڑھی جا رہی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علامہ سہواً" ستمبر کی جگہ اکتوبر لکھ گئے ہیں کیونکہ اس خط میں وہ لیگ کے ملتوی شدہ اجلاس کے لیے 18 اکتوبر کی تاریخ تجویز کر رہے ہیں۔ مزید برآں اسی خط کے حوالے سے شمس الحسن نے مولوی یعقوب کو 25 ستمبر کو ایک خط تحریر کیا۔ دیکھئے اے ایم ایف' جلد 154' ص 17
98- ایضاً"
99- ایضاً" ص 17
100- ایضاً" ص 18- برنی کی مرتبہ کلیات (جلد سوم' ص 170) میں یہ خط بلا تاریخ درج ہے۔ ابتدائی تین جملوں کو علامہ کے اصل خط کے مطابق نشان زد نہیں کیا گیا اور ایک جگہ لفظ "جگہ" بھی چھوٹ گیا ہے۔
101- ایضاً"
102- ایضاً"
103- ایضاً" ص 19
104- بحوالہ انقلاب' 7 اکتوبر 1930ء
105- ایضاً"۔ بعد میں مسلم کانفرنس کا ملتوی شدہ اجلاس 30 نومبر 1930ء کو مجلس مرکزیہ خلافت کے صدر نواب محمد اسمٰعیل کی قیادت میں لکھنؤ میں منعقد ہوا۔
106- اے ایم ایف' جلد 154' ص 22-45
107- ایضاً" ص 23
108- ایضاً"
109- ایضاً"
110- ایضاً" ص 27
111- ایضاً" ص 28
112- انقلاب' 3 دسمبر 1930ء
113- برنی' ایضاً" ص 180
114- اے ایم ایف' جلد 154 ص 29-30
115- ایضاً"
116- ایضاً"
117- ایضاً"
118- ایضاً" ص 32

119- ایضاً" ص 33
120- ایضاً"
121- ایضاً" ص 36
122- ایضاً" ص 38
123- ایضاً" ص 40
124- ایضاً" ص 39
125- برنی' ایضاً" ص 184
126- انقلاب 18 دسمبر 1930ء
127- احمد الدین مارہروی "جلسہ الہ آباد کا آنکھوں دیکھا حال" اردو ڈائجسٹ' اپریل 1967ء' لاہور' ص 33-34- نیز دیکھئے مختار زمن "دوازدہ منزل سے منزل پاکستان تک" نقوش' اقبال نمبر' شمارہ 121' ستمبر 1977ء' ص 409-501
128- ایضاً"
129- مارہروی' ایضاً" ص 34' ڈاکٹر شفاعت الہ آباد یونیورسٹی میں تاریخ کے پروفیسر تھے۔ وہ مراد آباد کے حلقے سے صوبائی کونسل کے بھی ممبر تھے اور آئینی امور پر ان کی مہارت کا لوہا سر تیج بہادر سپرو جیسے مقنن بھی مانتے تھے۔ وہ اپنے ذاتی اخراجات سے ایک ہفتہ وار اخبار سٹار بھی نکالتے تھے جو مسلم نقطہ نظر کی ترجمانی کرتا تھا۔
130- ایضاً"
131- اے ایم ایف' جلد 154' ص 42
132- ایضاً" ص 43
133- ایضاً" ص 44
134- ایضاً"
135- ایضاً" ص 46
136- ایضاً"
137- انقلاب' 25 دسمبر 1930ء
138- ایضاً" 27 دسمبر 1930ء
139- اے ایم ایف' جلد 154' ص 48- تاہم دستیاب دستاویزات میں ایسے کسی استقبالیے یا اجلاس میں کسی نظم کے پڑھنے کا ذکر نہیں ملتا۔
140- انقلاب' 30 دسمبر 1930ء
141- مارہروی' ایضاً" 34
142- ایضاً"
143- تفصیلات کے لیے دیکھئے ایضاً"

144- ایضاً۔ علامہ کے ساتھ لاہور سے شرکت کرنے والوں میں سر عبدالقادر ایڈیٹر مخزن، ڈاکٹر عبداللہ چغتائی اور مشہور پنجابی شاعر اور قومی کارکن ملک لال دین قیصر نمایاں تھے۔

145- ایضاً، ص 35

146- زمن، ایضاً، ص 499

147- ایضاً، ص 500

148- مارہروی، ایضاً، ص 35

149- ایضاً

150- ایضاً

151- زمن، ایضاً، ص 501

152- ایضاً

153- شری پندار ناتھ مترا، مرتب دی انڈین اینوئل رجسٹر، جلد دوم، جولائی تا دسمبر 1930ء کلکتہ، ص 334

154- دیکھیے ایضاً، ص 344-348- زمن، ایضاً، ص 501 مارہروی ص 34-37 اور سید شریف الدین پیرزادہ، مرتب، فاؤنڈیشنز آف پاکستان، آل انڈیا مسلم لیگ ڈاکو مینٹس، 1906ء-1947ء، جلد دوم، کراچی، 1970ء ص 153-176

155- ایضاً

156- پیرزادہ، ایضاً، ص 153

157- ایضاً

158- ایضاً

159- مارہروی، ایضاً، ص 36- اگلے کئی صفحات میں انداز بیان مارہروی سے مستعار لیا گیا ہے۔

160- ایضاً

161- ایضاً

162- ایضاً، ص 36-37

163- ایضاً

164- ایضاً

165- پیرزادہ، ایضاً، ص 153-154

166- چودھری خلیق الزمان، شاہراہ پاکستان، کراچی 1977ء، ص 509، بحوالہ مختار زمن، ایضاً، ص 502

167- زمن، ایضاً، ص 501

168- پیرزادہ، ایضاً ص 172
169- اے ایم ایف، جلد 154، ص 48-49
170- ایضاً
171- ایضاً
172- ایضاً
173- ایضاً
174- ایضاً ص 50-51
175- ایضاً
176- ایضاً
177- ایضاً
178- ایضاً
179- ایضاً ص 57
180- پیرزادہ، ایضاً ص 172
181- ایضاً
182- ایضاً
183- ایضاً
184- ایضاً
185- ایضاً ص 173
186- ایضاً
187- ایضاً
188- ایضاً ص 173-174
189- ایضاً ص 174
190- ایضاً ص 175
191- اے ایم ایف، جلد 154، ص 59
192- پیرزادہ، ایضاً ص 175
193- اے ایم ایف، جلد 154، ص 58
194- پیرزادہ، ایضاً ص 175
195- ایضاً
196- ایضاً ص 172
197- ایضاً ص 173- قواعد لیگ کے مطابق اجلاس کے لیے کم از کم پچیتر اراکین کا کورم ہونا لازم تھا۔

198- ایضاً" ص 175-176
199- زمن' ایضاً" ص 503
200- ایضاً"

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006